مشرک اور مؤحد کی مثال

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً رَّجُلاً فِيهِ شُرَكَاء مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلاً سَلَماً لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ{۲۹}الزمر.

جواب ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی لوگ شریک ہیں جن میں آپس میں ضد اضدی ہے اور ایک وہ شخص ہے جو ایک ہی آدمی کے لیے سالم ہے کیا یہ دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہیں؟ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے،

(دوسرا ترجمہ) اللہ نے ایک مثال یہ دی ہے کہ ایک (غلام) شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی لوگ شریک ہیں جن کے درمیان آپس میں کھینچ تان بھی ہے اور دوسرا (غلام) شخص وہ ہے جو پورے کا پورا ایک ہی آدمی کی ملکیت ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایک جیسی ہو سکتی ہے؟ الحمد للہ (اس مثال سے بات بالکل واضح ہو گئی) لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مؤحد اور مشرک کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ غلام ہے جس کے مالک بہت سارے ہوں اور وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور دوسرا وہ غلام جو خالص صرف ایک ہی شخص کی ملکیت کا ہو اس کے سوا اس پر دوسرے کسی کا کوئی اختیار نہ ہو۔ کیا یہ دونوں تمہارے نزدیک یکساں ہیں؟ ہر گز نہیں۔

اسی طرح مؤحد جو صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کرتا ہے۔ اور مشرک جس نے اپنے معبود بہت سے بنا رکھے ہیں۔ ان دونوں میں بھی کوئی نسبت نہیں۔ کہاں یہ مخلص مؤحد؟ کہاں یہ در بدر بھٹکنے والا مشرک؟ اس ظاہر باہر روشن اور صاف

مثال کے بیان پر بھی رب العالمین کی حمد وثنا کرنی چاہئے کہ اس نے اپنے بندوں کو اس طرح سمجھا دیا کہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔

شرک کی بدی اور توحید کی خوبی ہر ایک کے ذہن میں آجائے۔ اب رب کے ساتھ وہی شرک کریں گے جو محض بے علم ہوں جن میں سمجھ بوجھ بالکل ہی نہ ہو۔ اس کے بعد کی آیت کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد پڑھ کر پھر دوسری آیت (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران :۱۴۴) کی آخر آیت تک تلاوت کر کے لوگوں کو بتایا تھا۔

بروز محشر بارگاہ ایزدی میں پیشی

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (۳۰) ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (۳۱)الزمر

جواب ترجمہ: (اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) یقیناً موت آپ پر بھی وارد ہو گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں، پھر تم سب قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔

مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ سب اس دنیا سے جانے والے ہیں اور آخرت میں اپنے رب کے پاس جمع ہونے والے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ مشرکوں اور موحدوں میں صاف فیصلہ کر دے گا اور حق ظاہر ہو جائے گا۔ اس سے اچھے فیصلے والا اور اس سے زیادہ علم والا کون ہے؟ ایمان اخلاص اور توحید و سنت والے نجات پائیں گے۔ شرک و کفر انکار و تکذیب والے سخت سزائیں اٹھائیں گے۔

اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا روز قیامت وہ اللہ عادل کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہو گا۔

اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کے دن پھر سے جھگڑے ہوں گے ؟ آپ نے فرمایاہاں یقیناً تو حضرت عبد اللہ نے کہا پھر تو سخت مشکل ہے (ابن ابی حاتم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ

ثُمَّ لَتُسْـــَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر :۸)

یعنی پھر اس دن تم سے اللہ کی نعمتوں کا سوال کیاجائے گا۔

کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا ؟ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گذارہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایااب نہیں ہیں تو عنقریب بہت سی نعمتیں ہو جائیں گی۔

مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آیت

(اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر :۳۰)،

کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یارسول اللہ !(ﷺ) کیاجو جھگڑے ہمارے دنیامیں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دوہرائے جائیں گے ؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرستش ہو گی۔ آپ نے فرمایاہاں وہ ضرور دوہرائے جائیں گے۔ اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایاجائے گاتو آپ نے کہا پھر تو سخت مشکل کام ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس میں جھگڑے پیش ہوں گے۔

اایک دوسری حدیث میں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا۔ یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسری کو سینگ مارے ہوں گے ان کا بدلہ بھی دلوایاجائے گا(مسند احمد)

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ

کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ مجھے کیا خبر؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان میں بھی انصاف کرے گا۔

بزار میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ظالم اور خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گا۔

بزار میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ظالم اور خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گی اور اس پر وہ غالب آجائے گی اور اللہ کا فرمان ضرور ہوگا کہ جاؤ اسے جہنم کا ایک رکن بنادو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر سچا جھوٹے سے، ہر مظلوم ظالم سے، ہر ہدایت والا گمراہی والے سے، ہر کمزور زورآور سے اس روز جھگڑے گا۔

ابن مندہؒ اپنی کتاب الروح میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت لائے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تونے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔ ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا کہے گا سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج بالکل لولا لنگڑا چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ دوسرا آدمی اندھا ہے لیکن اس کے پیر سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے دونوں ایک باغ میں ہیں۔

لنگڑا اندھے سے کہتا ہے بھائی یہ باغ تو میوؤں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں جو میں جا کر یہ پھل توڑ لوں۔ اندھا کہتا ہے آؤ میرے پاؤں ہیں تجھے اپنی پیٹھ پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور جی کھول کر پھل توڑے، بتاؤ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم و روح دونوں جواب دیتے ہیں کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا۔ یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم تعجب میں تھے کہ ہم میں اور اہل کتاب میں تو جھگڑا ہے ہی نہیں پھر آخر روز قیامت میں کس سے جھگڑے ہوں گے؟ اس کے بعد جب آپس کے فتنے شروع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہی آپس کے جھگڑے ہیں جو اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔

ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سے جھگڑیں گے اور ابن زید سے مروی ہے کہ مراد اہل اسلام اور اہل کفر کا جھگڑا ہے۔

نبی، صدیق اور قرآن

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے اور یہ بتایئے کہ یہاں وَالَّذِي جَاء بِالصِّدْقِ سے اور وَصَدَّقَ بِهِ سے کون مراد ہے؟

وَالَّذِي جَاء بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ{۳۳}الزمر.

جواب ترجمہ: اور جو شخص سچ کو لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی یہ وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

مفسر قرآن ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی اس آیت کریمہ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ جو مقدمہ اللہ تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن پیش ہو گا اس کے دو فریق ہوں گے، ایک تو وہ کافر جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو نہ صرف ماننے سے انکار کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کی بھی تکذیب کی۔ اس فریق کے بارے میں فیصلہ اوپر کی آیت میں سنا دیا گیا اور ان کے انجام کی بھی خبر دے دی گئی۔

اب پیش نظر آیت کریمہ میں دوسرے فریق کے بارے میں فیصلہ سنایا جا رہا ہے۔ اس فریق میں ایک تو نبی کریم ﷺ ہیں اور دوسرے آپ کے فرمانبردار اور متبع لوگ ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں اور یہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ رہے ان کے بلند مقامات اور درجات، اس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ذکر آپ کے نام سے نہیں بلکہ یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم رسول جو سچائی لے کر آئے۔ صدق اور سچائی سے مراد قرآن کریم ہے۔ نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا اور آپ اس عظیم نعمت اور امانت کو لے کر لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ کس شان سے آئے، کس طرح لوگوں کے سامنے اسے پیش کیا، اس کی آپ نے کیا قیمت ادا کی، آپ نے اس تبلیغ و دعوت کے حوالے سے کیا کیا دکھ اٹھائے اور آپ نے کیسی کیسی استقامت کی مثالیں قائم کیں اور کس طرح مخالفین کی اذیتوں کے مقابلے میں ہمدردی اور غمگساری کی بینظیر روایات قائم کیں۔ یہ تمام تفصیلات اور تمام دل کو ہلا دینے والے تجربات ان دو لفظوں میں شامل ہیں۔

اور پھر آپ کے فرماں بردار اور جاں نثار امتیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس سچائی کی تصدیق کی۔ یعنی جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس کے ایک ایک لفظ کے شاہد بنے۔ قولی گواہی بھی دی اور عملی شہادت بھی قائم کی۔ نبی کریم ﷺ کے نقوش قدم کی پیروی کو انھوں نے زندگی کا معمول بنایا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بات کی خبر دی انھوں نے یقین کامل کے ساتھ اسے اپنے دل میں اتار لیا۔

اس راستے میں آنے والی مشکلات کو اپنے لیے آخرت کا سرمایہ سمجھا اور آپ کی ہر بات کی تصدیق زبان سے بھی کی اور عمل سے بھی اور مسلسل قربانیاں دے کر اس تصدیق کو زندہ جاوید بنا دیا۔

اس فیصلے میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تقویٰ کے دو ہی معیار ہیں۔ ایک ہے قرآن کریم جیسی سچائی کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرنا جیسے آنحضرت ﷺ نے کیا۔

اور دوسرا معیار ہے کہ اس سچائی کی تصدیق کی جائے۔ چنانچہ اس کا سب سے اعلیٰ نمونہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات گرامی ہے۔ آپ سب سے پہلے ایمان لائے، آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں سب سے پہلے مار کھائی، اپنی چار نسلیں اسلام کی

آغوش میں دے دیں، اپنا سارا کاروبار اسلام پر قربان کر دیا، اپنا تمام مال و دولت اسلام پر خرچ کر ڈالا۔

وہ کمزور غلام جو اسلام لانے کی پاداش میں بری طرح اذیتوں کا شکار تھے انھیں خریدا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا، تبلیغ و دعوت میں آنحضرت ﷺ کے رفیق رہے، کوئی قابل ذکر موقع ایسا نہیں جب آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ غار ثور کی تنہائیوں میں بھی آپ حضور ﷺ کے رفیق تھے، ہجرت میں آپ ﷺ کے ہمسفر رہے۔

ہجرت کے بعد بھی کوئی ایسا وقت نہیں آیا جب کسی اور نے آپ کی رفاقت کا آپ سے بڑھ کر حق ادا کیا ہو۔ حتیٰ کہ مرض الوفات میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ بنے اور سوا دو سال بعد ہی آپ ﷺ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور قیامت تک کے لیے آپ ﷺ کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔ اقبال نے نہایت سادہ سے شعر میں آپ کی زندگی کی ایسی تصویر کھینچ دی ہے کہ جس سے بہتر تصویر ممکن دکھائی نہیں دیتی۔

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

آج بھی حق و باطل کی کشمکش میں مسلمانوں کے لیے یہی دونوں مقامات ہیں جو ان کے ایمان و اسلام کی گواہی دے سکتے ہیں کہ ہر مومن کو یا تو اسلام کا علم بردار ہونا چاہیے اور یا کسی علم بردار کا اسے سپورٹر ہونا چاہیے۔ یعنی یا وہ آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اٹھائے اور یا وہ جھنڈا اٹھانے والے کا ساتھ دے۔ یعنی یا خود جہاد کے لیے نکلے اور یا جہاد کرنے والوں کی ہر ممکن مدد کرے۔ اس کے سوا تیسرا کوئی مقام نہیں جو حق و باطل کی کشمکش میں ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے بچا سکتا ہو۔ (تفسیر روح القرآن)

حضرت علیؓ ؓابو العالیہ اور کلبی فرماتے ہیں جَاء بِالصِّدْقِ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور صَدَّقَ بِهِ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ان سے مراد آنحضرت ﷺ اور حضرت علی ہیں سدی کہتے ہیں جَاء بِالصِّدْقِ سے مراد جبریل (علیہ السلام) اور صَدَّقَ بِهِ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ (روح المعانی:۳۵۲: / ۲۴)

ابن زید، مقاتل، اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں جَاء بِالصِّدْقِ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور صَدَّقَ بِهِ سے مراد تمام اہل ایمان ہیں اور انہوں نے استدلال کیا أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ سے۔(تفسیر قرطبی:۲۲۴: / ۱۵)

قبض روح

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ{۴۲}الزمر.

جواب ترجمہ: اللہ تمام روح کو ان کی موت کے وقت قبض کرلیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں (قبض کرلیتا ہے،) پھر جن کے بارے میں اس نے موت کا فیصلہ کرلیا۔ انہیں اپنے پاس روک لیتا ہے، اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔

جب موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ ہی ان روحوں کو قبض کرلیتا ہے، یوں جان نکل جاتی ہے، کوئی حس وحرکت باقی نہیں رہتی، زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہوتا ان کی روح کو عارضی طور پر قبض کرلیتا ہے، مکمل طور پر ان کی روح قبض نہیں کی جاتی بلکہ زندگی کی ایک حیثیت باقی رہ جاتی ہے، جیسے سونے

کے وقت انسان پر نیند مسلط کر دی جاتی ہے، اس کی سانس چلتی رہتی ہے، زندگی باقی رہتی ہے، صرف ادراک باقی نہیں رہتا، جب کہ موت کی صورت میں ادراک باقی رہتا ہے اور نہ ہی زندگی باقی رہتی ہے۔

جن پر موت کا حکم لگا دیا جاتا ہے ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد دوبارہ واپس نہیں لوٹائی جاتیں، اور وہ جانیں جن سے نیند کی وجہ سے روح معطل کی گئی تھی ان پر ابھی موت کا وقت نہیں آیا تھا ان کی روحیں ایک معین مدت تک کے لیے آزاد کر دیتا ہے کہ دوبارہ واپس بدن میں جا کر پہلے کی طرح تصرف کرنے لگیں۔

روح کا بدن سے نکل جانا اور پھر روح کا بدن سے نکل کر آزاد ہو جانا اور پھر دوبارہ سے بدن میں آ کر کام کرنا یہ قدرت کا ایسا شاہکار ہے جو سوچنے، سمجھنے اور عقل و دانش رکھنے والے لوگوں کے لیے عظیم الشان دلائل رکھتا ہے، اہل عقل کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ

توفی کے لفظی معنٰی لے لینے اور قبض کر لینے کے ہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہر حال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہیں، وہ جب چاہے ان کو قبض کر سکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے، پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے اور آخر کار ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی پھر واپس نہ ملے گی۔ (معارف القرآن)

تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے معنٰی اس کا تعلق بدن انسانی سے قطع کر دینے سے ہیں، کبھی یہ ظاہراً و باطناً بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نام موت ہے اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے۔ باطناً باقی رہتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو ظاہری علامت زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطناً تعلق

روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روح انسانی کو عالم مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تا کہ انسان مکمل آرام پا سکے۔ اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیت مذکور میں لفظ توفی، بمعنیٰ قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنیٰ پر حاوی ہے۔ موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطہ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔

پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی واپسی کی حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں وہ رویاء صادقہ نہیں رہتا۔ اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روح انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آجاتی ہے۔(معارف القرآن)

قیامت۔فساق کا اپنی بداعمالیوں پر ندامت

سوال بروز محشر جب انسانی جان کو عذاب دیا جائے گا تو وہ کیا کہے گی؟

جواب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَى عَلَى مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ{٥٦} أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ{٥٧} أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ٥٨} الزمر

کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو یہ کہنا پڑے کہ: ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے معاملے میں برتی! اور دوسری بات یہ کہ میں تو (اللہ تعالیٰ کے احکام کا) مذاق

اڑانے والوں میں شامل ہو گیا تھا۔ یا کوئی یہ کہے کہ: اگر مجھے اللہ ہدایت دیتا تو میں بھی متقی لوگوں میں شامل ہوتا۔ یا جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ کہے کہ: کاش مجھے ایک مرتبہ واپس جانے کا موقع مل جائے تو میں نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔

بروز محشر سب کچھ کھل کر سامنے آجائے گا، نیکوکاروں کو ان کی دنیا میں کی جانے والی نیکیوں کا اچھا صلہ ملے گا جب کہ گنہگاروں، سیہ کاروں، اللہ کے نافرمانوں، باغیوں اور سرکشوں کو ان کے کرتوتوں اور سیاہ اعمالیوں کی سزا ملے گی۔

عذاب کو دیکھتے ہی انسان پکار اٹھے گا کہ اے افسوس! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مجھے کچھ کرنے کا حکم دیا تھا اسے میں نے ضائع کر دیا تھا، میں نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا، میں نے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوتاہی کی تھی، اس کا حق ضائع کیا تھا، دنیا میں تو میں اس کے احکامات کا ٹھٹھا کرتا اور مزاح اڑاتا تھا، میں دنیا میں ان لوگوں میں شامل تھا جو اللہ کے احکامات، رسول اللہ کے ارشادات اور کتاب اللہ کے فرمودات کا مزاح اڑایا کرتے تھے، اہل ایمان کا تمسخر اڑاتے تھے، جگتیں کرتے اور انہیں ستاتے تھے۔

یہ بدنصیب شخص وہاں اس حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری اپنے دین کی طرف راہنمائی کرتا تو میں شرک اور گناہوں سے بچنے والوں میں سے ہو جاتا، یا اللہ کے عذاب کو دیکھتے ہوئے یوں کہے گا، اے کاش! مجھے ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تو میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جو اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری کر کے نیکیاں کماتے ہیں، اور ان احکامات پر عمل کروں جو اللہ کے رسولوں نے دیا۔

حضرت شیخ عبدالکریم ہوازن قشیریؒ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنے جیسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ لوگ اپنے حالات میں ان سے آگے بڑھ چکے ہیں، تو پھر انہیں اپنی گزری ہوئی کوتاہیاں یاد آئیں گی، تو وہ مارے حسرت کے اپنی انگلیاں چبائیں گے، افسوس کا اظہار کریں گے۔ (تفسیر قشیری)

پھر کوئی کہے گا کہ کاش میں دنیا میں دوبارہ بھیجا جاؤں تو وہاں جا کر نیک اعمال کروں، کوئی کہے گا کہ کاش میں اس طرح نیکوکار شخص ہوتا، مگر اللہ کی طرف سے اسے نہ دوبارہ بھیجا جائے گا اور نہ ہی اسے مہلت ملے گی بلکہ اسے پیش آمدہ عذاب چکھنے اور بھگتنے کا حکم دیا جائے گا۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب فرماتے ہیں کہ

کسی بڑے سے بڑے مجرم کافر عاجز کو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے، اگر وہ توبہ کرلے گا تو اللہ اس کے سب پچھلے گناہ معاف فرمادے گا۔

ان تقول نفس سے تین آیتوں میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ یہاں تک کفر و شرک کو بھی توبہ سے معاف فرما دیتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ توبہ کا وقت مرنے سے پہلے ہے، مرنے کے بعد قیامت کے روز کوئی توبہ کرے یا اپنے کئے پر حسرت کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

جیسا کہ بعض کفار فجار قیامت کے روز مختلف تمنائیں کریں گے۔ کوئی تو اظہار حسرت کرے گا کہ افسوس میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی تھی۔ کوئی وہاں بھی اپنا الزام تقدیر پر ڈال کر بچنا چاہے گا وہ کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت کر دیتا تو میں بھی متقیوں میں داخل ہوتا، مگر خدا نے ہی ہدایت نہ کی تو میں کیا کروں۔ کوئی یہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو میں سچا پکا مسلمان بنوں، اور اللہ کے احکام کی پوری اطاعت کروں۔ مگر اس وقت کی یہ حسرتیں اور تمنائیں کسی کے کام نہ آئیں گی۔

یہ تین قسم کی تمنائیں ہو سکتا ہے کہ مختلف لوگوں کی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تینوں تمنائیں یکے بعد دیگرے ایک ہی جماعت کے کفار کی طرف سے ہوں، کیونکہ آخری قول جس میں دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا ہے اس کے ساتھ آیت میں مذکور ہے کہ وہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہو گا۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دونوں قول مشاہدہ عذاب سے پہلے کے ہیں کہ قیامت کے روز اول ہی اپنے عمل کی تقصیرات کو یاد کر کے کہیں گے،

يَاحَسْرَتَا عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ

پھر عذر اور بہانے کے طور پر کہیں گے کہ ہم تو معذور تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت کر دیتا تو ہم بھی مطیع و فرمانبر دار اور متقی ہو جاتے۔ مگر جب اس نے ہدایت ہی نہ کی تو ہمارا کیا قصور ہے، پھر جب عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو یہ تمنا ہو گی کہ کاش دنیا میں دوبارہ بھیج دیئے جاویں۔

حق تعالیٰ نے ان تینوں آیتوں میں بتلا دیا کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت بہت وسیع ہے، مگر وہ جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لو۔ اس لئے ہم ابھی بتلائے دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم مرنے کے بعد پچھتاؤ اور آخرت میں اس طرح کی فضول حسرت و تمنا میں مبتلا ہو۔ (معارف القرآن)

خالق و وکیل

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کریں، نیز یہ بتائیں کہ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ کا کیا معنٰی ہے؟

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ{۶۲} لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ{۶۳}الزمر.

جواب ترجمہ: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے، سارے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے گھاٹے میں رہنے والے وہی ہیں۔

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کا کارساز و نگہبان بھی وہی ہے، آسمان و زمین کی چابیاں اور کنجیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں، سب چیزوں کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، اسی کو خالق کائنات کہا جاتا ہے، ان چیزوں کو باقی رکھنے والا، ان کی حفاظت کرنے والا

بھی وہی ہے، ان کو کام میں لانے والا، ان میں تصرف کرنے والا بھی وہی ہے، وہ وکیل ہے وہ کارساز ہے۔

سمان وزمین کی چابیاں اور کنجیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں تو اختیارات بھی اسی کے پاس ہیں، جب خزانے اس کے ہیں تو پھر خزانوں کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہیں، جب خزانہ، خزانے کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہیں تو تصرفات کا مالک بھی وہی ہے، جب سب کچھ اسی کے دست قدرت میں ہے تو عبادت اور بندگی بھی اسی ذات حق کی ہونا چاہیے۔

اللہ ساری کائنات کا خالق ہے، یہ ساری کائنات اسی کے دست قدرت اور امر کن سے وجود میں آئی ہے، کوئی دوسرا اسے بنانے، سنوارنے اور سجانے میں اس کا شریک وسہیم اور ساجھی نہیں ہے۔

ہ اکیلا خالق ہے، وہ اکیلا مالک ہے، وہ اکیلا متصرف الامور ہے، وہ اکیلا عبادت وبندگی کے لائق ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے، جزا بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور سزا بھی اس کے ہاتھ میں ہے، اسی کو توحید کہا جاتا ہے کہ اس کی یکتائی کو مانا اور تسلیم کیا جائے۔

مشرکین چاہے مکہ کے رہنے والے ہوں، عرب کے رہنے والے ہوں یا عجم کے رہنے والے ہوں ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ ان ساری باتوں کے مقدمات کو مانتے ہیں، اللہ کو اللہ مانتے ہیں، خالق بلاشرکت مانتے ہیں، مگر وہ عقیدہ توحید کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، وہ اللہ کی مخلوق کو بھی اس کے کاموں میں شریک وساجھی مانتے ہیں، وہ علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ ہم صرف ایک اللہ کو تسلیم کریں اور باقیوں کو چھوڑ دیں، انہوں نے بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت سجا کر رکھے تھے جن کی پوجا پاٹ کرتے تھے، اس لیے صرف اللہ، صرف اللہ کی آواز پر طیش میں آجاتے تھے اور اس آواز کو بلند کرنے والوں کے جانی دشمن بن جاتے تھے۔

مشرک میں ایک بیماری شرک کی ہے اور وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ چلو میں ہی مشرک سہی دوسروں کو اس بیماری میں مبتلا نہ کروں بلکہ وہ اس مرض کو عام کرنے کی

کوشش کرتا ہے، وہ دوسروں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ بھی اس گندگی میں اس کے شریک بن جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ شرک کی گندگی سے لوگوں کو بچانے کے لیے اپنے نبیوں کو بھیجتے ہیں تاکہ وہ انہیں کھلے طور پر سمجھائیں کہ شرک باعث نجات نہیں بلکہ باعث ضلالت و بربادی ہے۔

خزانوں کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں، بارش کے خزانے ہوں یا نباتات کے خزانے، یا ان کے علاوہ باقی اشیاء کے خزانے سب کی چابیاں اسی وحدہ لاشریک کے ہاتھ میں ہیں، وہ اپنی مخلوق کو جس طرح چاہتا ہے ان میں سے عطا کرتا ہے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاء اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُم قِيَامٌ يَنظُرُونَ{٦٨} وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ{٦٩} وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ{٧٠} وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَراً حَتَّى إِذَا جَاؤُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاء يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَى وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ{٧١} قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ{٧٢} وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَراً حَتَّى إِذَا جَاؤُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ{٧٣} وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاء فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ{٧٤} وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ

مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ{۷۵}الزمر.

جواب ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، پھر دوسری بار پھونکا جائے تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے پرورد گار کے نور سے چمک اٹھے گی اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اور انبیاء اور سب گواہوں کو حاضر کر دیا جائے گا اور لوگوں کے درمیان بالکل برحق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا انہیں جہنم کی طرف گروہوں کی شکل میں ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں، اور تمہیں اس دن کا سامنا کرنے سے خبر دار کرتے ہوں؟ وہ کہیں گے کہ بیشک آئے تھے، لیکن عذاب کی بات کافروں پر سچی ہو کر رہی۔

کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ کیونکہ بہت برا ٹھکانا ہے ان کا جو تکبر سے کام لیتے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے پرورد گار سے تقویٰ کا معاملہ رکھا تھا انہیں جنت کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے جبکہ اس کے دروازے ان کے لیے پہلے سے کھولے جا چکے ہوں گے (تو وہ عجیب عالم ہو گا۔) اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ: سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ! اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے آجایئے۔ اور وہ (جنتی) کہیں گے کہ تمام تر شکر اللہ کا ہے جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا ایسا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنا لیں۔

ثابت ہوا کہ بہترین انعام (نیک) عمل کرنے والوں کا ہے۔ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ: تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے، جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی ابتداء صور پھونکے جانے سے ہوگی اور دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسرافیل (علیہ السلام) کان لگائے ہوئے ہیں اور پیشانی کو جھکائے ہوئے انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہو آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہوگی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان (خرید و فروخت کے لیے) کپڑا کھول رکھا ہوگا ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا لپیٹنے بھی نہ پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی (پھر فرمایا کہ) البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر لے جا رہا ہوگا اور پی بھی نہ سکے گا اور قیامت یقیناً اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنا حوض لیپ رہا ہوگا اور ابھی اس میں مویشیوں کو پانی پلانے بھی نہ پائے گا اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ سکے گا۔ (بخاری)

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ زندہ ہوں گے وہ مر جائیں گے اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی اور جو اس سے پہلے مر چکے تھے وہ بے ہوش ہو جائیں گے آسمانوں میں اور زمینوں میں جو لوگ ہوں گے سب پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی پھر دوبارہ صور

پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے، قبروں سے نکل کر موقف (یعنی حساب کی جگہ) کی طرف چل دیں گے، دونوں بار جو صور پھونکا جائے گا ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہو گا حضرت ابویرہؓ نے اس بارے میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہوئے چالیس کا عدد ذکر کیا حاضرین نے عرض کیا اے ابوہریرہ! کیا چالیس دن کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں عرض کیا گیا کہ چالیس مہینے کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں، عرض کیا گیا چالیس سال کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں۔

جب صور میں پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان وزمین میں ہے وہ مر جائے گا، پھر فرشتہ دوسری بار صور پھونکے گا جو اس بات کا اعلان ہو گا کہ تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے پیش ہو، پھر یہ لوگ اپنی قبروں سے یہ دیکھتے ہوئے اٹھیں گے کہ ان کے رب نے ان کے ساتھ کیا کیا ہے؟

زمین قیامت کے دن چمک اٹھے گی جب حق تعالیٰ شانہ اپنی مخلوق کے معاملات کے فیصلوں کے لیے ظاہر ہوں گے، فرشتے ہر شخص کے نامہ اعمال کو کھول دیں گے، انبیاء کرام اور امتوں کی گواہی دینے والے بھی لائے جائیں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے ان کی تبلیغ کے بارے میں سوال کریں اور ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا اس بارے میں پوچھیں، جیسے حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی امت انبیاء اور سابقہ رسولوں کی اپنی امتوں کو تبلیغ کے بارے میں گواہی دے گی کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی۔

اور جو امتیں اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی ان کے خلاف گواہی دے گی، یوں ان امتوں کے خلاف ایک حجت قائم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان کامل انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے، ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ثواب میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی عذاب میں زیادتی کی جائے گی، اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کی جزا دیں گے، وہ ایسی ذات ہے جو بہت اچھی طرح جانتی ہے کہ اس شخص نے دنیا کی زندگی میں کس قدر اطاعت و فرمانبرداری یا نافرمانی کی ہے۔

اللہ اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والے، ان کا انکار کرنے والوں کو گروہ در گروہ دوزخ کی طرف لیجایا جائے گا، جب یہ جہنم کی طرف آئیں گے تو جہنم پر جن فرشتوں کی ڈیوٹی ہو گی وہ اس کے ساتوں دروازے کھول دیں گے، دوزخ کے فرشتے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے یوں عار دلائیں گے کہ

كَيفَ تَعصُونَ اللّٰهَ وَتَجحَدُونَ أَنَّهُ الإلٰهُ الحَقُّ وَحدَهُ؟ أَلَم يُرسِل إلَيكُم رُسُلًا مِّنكُم يَتلُونَ عَلَيكُم آيَاتِ رَبِّكُم، وَيُحَذِّرُونَكُم أَهوَالَ هَذَا اليَومِ؟

تم کیونکر اللہ کی نافرمانی کرتے تھے؟ تم کیونکر اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ اکیلا معبود برحق ہے؟ کیا اس نے تم ہی میں سے رسول نہیں بھیجے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور تمہیں آج کے دن کی اس ہولناکی سے ڈرایا کرتے تھے؟

یہ ایسی جھڑک ہو گی، ایسی ڈانٹ ڈپٹ ہو گی کہ ان لوگوں کو جائے فرار نہیں ملے گی، وہ انکار نہیں کر سکیں گے، انہیں اپنے گناہوں کا، اپنی نافرمانیوں کا اور اپنی سرکشیوں کا اعتراف کرنا پڑے گا وہ برملا فرشتوں کی اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کہیں گے کہ

ہاں! ہمارے رب کے نمائندے اور رسول ہمارے پاس حق لائے تھے، ہمیں انہوں نے آج کے دن سے ڈرایا بھی تھا، لیکن اللہ کی بات ضروری ہو جائے گی کہ اس کا عذاب کفر کرنے والوں کے لیے ہو گا، انکار کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سچا معبود ہے، یہ بات ان کافروں کی اہانت اور تذلیل کے لیے کہی جائے گی، اور ان سے کہا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ ٹھہرو، یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان باللہ کے انکاری تھے اور شریعت پر عمل کرنے سے عاری تھے۔

جنت میں جانے والے۔ اسی طرح جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے، اس کی توحید کا اقرار کرتے تھے، اس کے احکامات مانتے تھے، اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے انہیں

گروہ در گروہ جنت کی طرف لیجایا جائے گا، جب وہ لوگ جنت کی طرف آئیں گے تو ان کے لیے جنت میں داخلے کی سفارش کی جائے گی، جنت کے دروازے ان کے لیے کھولے جائیں گے، جنت کے فرشتوں کی مرحبا مرحبا کی گونج میں ان کا استقبال ہو گا، وہ فرط مسرت سے انہیں سلام کہیں گے، یہ گناہوں کی آلودگیوں سے ان کے پاک ہونے کی وجہ سے ہو گا، یہ فرشتے انہیں کہہ رہے ہوں گے کہ تم ہر آفت ومصیبت سے محفوظ ہو، تمہارے حالات اچھے اور درست ہیں، تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ سن کر ایمان والے لوگ کہیں گے

اَلحَمدُ للهِ الَّذي صَدَقَنَا وَعدَهُ الَّذي وَعَدَنَا إيَّاهُ عَلَى أَلسِنَةِ رُسُلِهِ، وَأَورَثَنَا أَرضَ الجَنَّةِ نَنْزِلُ مِنهَا فِي أَيِّ مَكَان شِئنَا، فَنِعمَ ثَوَابُ المُحسِنِينَ الَّذِينَ اجتَهَدُوا فِي طَاعَةِ رَبِّهِم.

تمام کامل تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ ذات جس نے ہمارے ساتھ وہ وعدہ پورا کیا جو اس نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے کیا تھا، اور اس نے ہمیں سرزمین جنت کا وارث بنایا ہے، ہم اس جنت میں جہاں چاہیں رہیں، نیکوکار لوگوں کا کس قدر اچھا ٹھکانہ ہے، وہ جنہوں نے اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوشش کی۔

سورۃ الزمر کے آخر میں اہل دوزخ اور اہل جنت کے احوال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ اے میرے نبی! آپ اس دن دیکھیں گے کہ فرشتے اللہ کے عرش کو گھیرے ہوئے ہوں گے، اور وہ اپنے رب کی تنزیہی بیان کررہے ہوں گے ہر اس چیز سے جو اس کے لائق اور شایان شان نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان حق وعدل کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جنت میں ٹھہرائیں گے اور کافروں کو دوزخ میں ڈالیں گے، اور کہا جائے گا کہ تمام کامل تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کا رب ہے، یہ تعریف اس چیز پر ہے کہ اس

ذات حق نے اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان فیصلہ فرمایا ہے، یہ حمد وستائش اس کے فضل واحسان پر ہو گی، یہ حمد اس کے عدل وحکمت پر ہو گی۔

انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زندگی میں اپنی مرضی کے مطابق نہ چلے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلے، اللہ کے احکامات کو نبی کریم ﷺ کے نورانی طریقوں کے مطابق مان لے، اپنی خواہشات کو دین میں داخل نہ کرے بلکہ اللہ کے احکامات کو ترجیح دے، رسول اللہ ﷺ کی نورانی تعلیمات ہی انسان کی بخشش کا ذریعہ ہیں، پھر اگر انسان ہونے کے ناطے کوئی کمی کوتاہی رہ جاتی ہے تو اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں امید واثق رکھی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے، ایک طرف انسان اپنے اعمال میں کمی نہ آنے دے دوسری طرف ان اعمال پر اترانے اور اکڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ کے فضل وکرم پر پوری توجہات مرکوز رکھے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

الحمدللہ: آج سورۃ الزمر کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے طفیل اپنی عالی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔ آمین

خادم اسلام

محمودالرشیدحدوٹی

۳فروری۲۰۱۸ءبروز ہفتہ، ساڑھے گیارہ بجے دن

غــافر

گناہگاروں کے لیے امیدورجا

سوال اس آیت کاترجمہ وتفسیر کیجیے نیزبتایئے کہ ذِي الطَّوْلِ کاکیامعنٰی ہے؟

غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ{۳} غافر.

جواب ترجمہ: جو گناہ کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

غافر کے معنٰی ہیں: ساتر، یعنی چھپانے والا، ہرچند کہ یہ اسم فاعل کے وزن پر ہے لیکن یہ صفت مشبہ ہے۔ کیونکہ اسم فاعل کے معنی میں حدوث ہوتا ہے اور صفت مشبہ کے معنٰی میں ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث نہیں ہے اس کی ہر صفت دائمی اور باقی ہے، اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی خطاؤں اور ان کے گناہوں کو چھپانے والا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ذنب کے معنی ہیں: اثم اور جرم، ہر وہ فعل جو گرفت اور عذاب کا مستحق ہو، اس کا معنٰی ہے: اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو چھپانے والا ہے خواہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، بندہ کی توبہ کی وجہ سے ان کو چھپالے یا مقربین کی شفاعت کی وجہ سے یا اپنے فضل محض سے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپالے گا تو پھر وہ اپنے بندے کو قیامت کے دن شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔

قابل کے معنٰی ہیں: کسی چیز کو پکڑنے والا جیسے کوئی شخص کنوئیں سے ڈول کو نکال کر پکڑلیتا ہے اور اس کا معنی ہے: عذر قبول کرنے والا، شریعت میں توبہ کا معنٰی ہے: گناہ کے کام کو اس قبح کی وجہ سے ترک کر دینا اور گناہ کرنے پر نادم ہونا اور اس کام کے دوبارہ نہ

کرنے کا پختہ عزم کرنا اور اس گناہ کی بہ قدر امکان تلافی کرنا اور جب یہ چاروں شرائط پائی جائیں گی تو یہ توبہ مکمل ہو جائے گی اور استغفار کا معنیٰ ہے: معصیت کی بُرائی سمجھنے کے بعد اس کے فعل پر مغفرت طلب کرنا اور معصیت سے اعراض کرنا، پس استغفار توبہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔

شدید العقاب کا معنیٰ ہے بہت سخت عذاب دینے والا، اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے غافر الذنب اور قابل التوب ہے اور کفار کے لیے شدید العقاب ہے، اور ان کے لیے جو اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

ذی الطول کا معنیٰ ہے: بہت عظیم فضل والا، بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی وجہ سے اس کو معاف فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لیے غافر الذنوب ہے، اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان کو ان کی توبہ میں اخلاص کی توفیق دیتا ہے، کیونکہ اس کے نیک بندے اس کے لطف کے مظاہر ہیں اور جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے حضور توبہ نہیں کرتے اور گناہوں پر اصرار کرتے ہیں ان کے لیے شدید العقاب ہے۔(تفسیر تبیان القرآن)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر در منثور میں اس آیت کے ذیل میں بہت سی روایات جمع کی ہیں جن میں مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں

عبد بن حمیدؒ نے یزید بن اصمؒ سے روایت کیا کہ ایک شامی آدمی بڑا طاقتور تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو گم پایا تو اس کے بارے میں پوچھا تو ان سے کہا گیا کہ وہ شراب پینے میں لگا ہوا ہے۔ حضرت عمر نے اپنے کاتب کو بلایا اور اس سے فرمایا لکھو:

مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، [أَمَّا بَعْدُ]: فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، غَافِرُ الذَّنْبِ وَقَابِلُ التوب، شديد العقاب، ذي الطول، لا إلٰه إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ. ثُمَّ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: ادْعُوَا اللَّهَ لِأَخِيكُمْ أَنْ يُقْبِل بِقَلْبِهِ، وَأَنْ يَتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِ

عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف، تم پر سلام ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب دینے والا، بڑی قدرت اور نعمت والا، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے) پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے، پھر آپ نے دعا کی اور جو لوگ ان کے پاس تھے انہوں نے آمین کہی، سب نے اس کے لئے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرمائے اور اس کی توبہ قبول فرمائے جب خط اس کو پہنچا تو وہ خط کو پڑھنے لگا اور کہنے لگا "غافر الذنب "اللہ نے مجھ سے بخشش کا وعدہ فرمایا ہے "و قابل التوب شدید العقاب (کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمالیا اور اللہ نے مجھ کو اپنے عذاب سے ڈرایا)(ابن کثیر، در منثور)

ذی الطول (اور بہت زیادہ مال والا ہے) "الیہ المصیر "(اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے)وہ شخص بار بار ان الفاظ کو اپنے اوپر دہراتا ہے۔ یہاں تک کہ رونے لگا پھر توبہ کی اور بہترین توبہ کی جب حضرت عمرؓ کو اس کا معاملہ پہنچا تو فرمایا تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو جب تم اپنی حالت کو کسی لغزش میں دیکھو تو اسے درست کرلو اسے موقع دو اور اللہ سے اس کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے اور اس کے خلاف شیطان کی مدد کرنے والے نہ بن جاؤ۔ (تفسیر در منثور)

عبد بن حمیدؒ نے قتادہ سے روایت کیا کہ ایک نوجوان مدینہ منورہ میں عبادت کرنے والا تھا اور حضرت عمر اس سے محبت فرماتے تھے وہ مصر چلا گیا اور بگڑ گیا اور کسی برے کام سے نہیں رکتا تھا اس کے کچھ گھر والے حضرت عمرؓ کے پاس آئے ان سے حال پوچھا، حضرت عمرؓ نے ان سے اس جوان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ اس آدمی کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھیں، انہوں نے کہا کہ کیوں؟ اس نے کہا وہ بگڑ گیا اور تقویٰ کا لباس اتار دیا، حضرت عمرؓ نے اس کی طرف خط لکھا

مِن عُمَرَ إِلىٰ فُلَان {حٰمٓ تَنْزِيلُ الْكِتَاب مِنَ اللهِ الْعَزِيز الْعَلِيمِ غَافِر الذَّنب وَقَابِلِ التَّوب شَدِيدِ الْعِقَاب ذِي الطَّول لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِير} فَجَعَلَ يَقْرَأُهَا عَلَى نَفسِه فَأَقبَلَ بِخَير

عمر کی طرف سے فلاں کی طرف حمٓ(۱) تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم (۲) "غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول، لا الہ الا ھو، الیہ المصیر "وہ نوجوان اس کو پڑھتا رہا اور خیر کی طرف لوٹ آیا۔(تفسیر در منثور)

ابن ابی حاتم وابن المنذرؒ نے ابو اسحاق سبیعیؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین! اگر میں نے قتل کیا ہو کیا میرے لئے توبہ ہے؟ تو انہوں نے اس پر پڑھی حمٓ(۱) تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم (۲) غافر الذنب و قابل التوب "اور فرمایا تو (نیک) عمل کر اور مایوس نہ ہو۔(تفسیر در منثور)

ابن ابی شیبہؒ وابن ابی حاتمؒ نے ثابت بنانیؒ سے روایت کیا کہ میں مصعب بن زبیر کے ساتھ تھا کوفہ کے مضافات میں ایک باغ میں داخل ہوا تاکہ دو رکعت نماز پڑھوں میں نے (حم) المؤمن "شروع کی یہاں تک کہ "لا الہ الا ھو، الیہ المصیر "تک پہنچا، اچانک میرے پیچھے ایک آدمی سفید خچر پر سوار تھا جس نے یمنی سوتی لباس زیب تن کیا ہوا تھا، اس نے کہا جب تو کہے "و قابل التوب "تو یوں کہہ: اے توبہ قبول کرنے والے! میری توبہ قبول کرلے، اور جب تو کہے "شدید العقاب "تو کہہ: اے سخت عذاب والے! مجھے عذاب نہ دے۔ اور ابن ابی شیبہؒ کے الفاظ یوں ہیں: مجھ سے درگزر فرما، اور جب تو کہے "ذی الطول "تو کہہ: اے خیر والے! مجھ پر بھلائی کر۔ روای نے کہا میں نے ان کلمات کو کہا پھر میں مڑا تو کسی کو نہ دیکھا میں دروازہ کی طرف نکلا۔ میں نے کہا تمہارے پاس سے کوئی آدمی گزرا ہے جس نے یمنی سوتی لباس پہنا ہوا تھا لوگوں نے کہا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا اور وہ کہتے تھے کہ وہ الیاس (علیہ السلام) تھے۔(تفسیر در منثور)

انسان گناہ گار ہے، گناہ کرتا ہے، شیطان اس سے گناہ کرواتا ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہر نافرمانی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، گناہ کرنے والا شیطان کے نقش قدم پر گامزن ہوتا ہے۔

گناہ چھوٹا ہو یا بڑا گناہ تو گناہ ہی ہوتا ہے، زہر ایک قطرہ ہو یا ایک پیالہ زہر تو زہر ہی ہے، اس لیے گناہ کو حقیر اور چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی گناہ پر اصرار کرنا چاہیے، کیونکہ گناہوں پر اصرار اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّ مَثَلَ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ كَمَثَلِ قَوْمٍ نَزَلُوا بَطْنَ وَادٍ، فَجَاءَ ذَا بِعُودٍ، وَجَاءَ ذَا بِعُودٍ حَتَّى أَنْتَجُوا خُبْزًا لَهُمْ إِنَّ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ مَتَى يُؤْخَذْ بِهَا صَاحِبُهَا يَهْلِكْ(التوبہ لابن ابی الدنیا)

گناہوں کو حقیر سمجھنے سے بچو، کیونکہ جو شخص گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے اس کی مثال اس قوم کی ہے جو کسی وادی میں اتری، پھر کوئی ایک لکڑی لایا، کوئی دوسری لکڑی لایا، پھر انہوں نے اپنے لیے روٹیاں پکائیں، گناہوں کو حقیر سمجھنے والا جب اپنے گناہوں کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے تو گناہ کرنے والے کو ہلاک کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ابو عبلہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اپنے گھر والی مسجد میں تشریف فرما تھے، میں انہیں نصیحت کر رہا تھا، وہ میری نصیحت کو سن رہے تھے، تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان سے فرمایا کہ

يَا إِبْرَاهِيمُ بَلَغَنِي أَنَّ مُوسَى قَالَ: إِلَهِي، مَا الَّذِي يُخَلِّصُنِي مِنْ عِقَابِكَ، وَيُبَلِّغُنِي رِضْوَانَكَ وَيُنْجِينِي مِنْ سَخَطِكَ؟ قَالَ: الِاسْتِغْفَارُ بِاللِّسَانِ، وَالنَّدَمُ بِالْقَلْبِ، وَالتَّرْكُ بِالْجَوَارِحِ(التوبہ)

اے ابراہیم ! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے اللہ! وہ کون سی چیز ہے جو مجھے تیرے عذاب سے بچا سکتی ہے؟ اور مجھے تیری رضا

تک پہنچا سکتی ہے؟ اور مجھے تیری ناراضگی سے بچا سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زبان سے استغفار کرنا، دل میں نادم و شرمسار ہونا، جوارح سے گناہوں کو چھوڑنا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی گریہ وزاری ملاحظہ فرمایئے

وَكَيْفَ تُحِبَّ أَنْ تُدْعَى حَكِيمًا ... وَأَنْتَ لِكُلِّ مَا تَهْوَى رَكُوبُ
وَتَضْحَكُ دَائِبًا ظَهْرًا لِبَطْنٍ ... وَتَذَكَّرْ مَا عَمِلْتَ فَلَا تَذُوبُ
كُوبُ الذُّنُوبِ يُمِيتُ الْقُلُوبَ ... وَقَدْ يُوَرِّثُ الذُّلَّ إِدْمَانُهَا
وَتَرْكُ الذُّنُوبِ حَيَاةُ الْقُلُوبِ ... وَخَيْرٌ لِنَفْسِكَ عِصْيَانُهَا
يَا مُدْمِنَ الذَّنْبِ أَمَا تَسْتَحْيِي ... اللَّهَ فِي الْخَلْوَةِ ثَانِيكَا
غَرَّكَ مِنْ رَبِّكَ إِمْهَالُهُ ... وَسَتْرُهُ طُولَ مَسَاوِيكَا
كُنْ حَيِيًّا إِذَا خَلَوْتَ بِذَنْبٍ ... دُونَ ذِي الْعَرْشِ مِنْ حَكِيمٍ مَجِيدِ
قَدْ تَهَاوَنْتَ بِالْإِلَهِ عَمِيدًا ... وَتَغَيَّبْتَ عَنْ عُيُونِ الْعَبِيدِ

احمد بن محمد ازدیؒ فرماتے ہیں

مَآثِمُ الْمُذْنِبِينَ لَا تَنْقَضِي ... آخِرَ الدَّهْرِ أَوْ يَحِلُّوا اللُّحُودَا
وَحَقِيقٌ بِأَنْ يَنُوحُوا وَيَبْكُوا ... إِذْ عَصَوْا مَاجِدًا رَءُوفًا وَدُودَا
ابْتَدَأَهُمْ بِالْفَضْلِ مِنْهُ امْتِنَانًا ... وَإِذَا شَاءَ أَنْجَزَ الْمَوْعُودَا
كُلُّ ثَكْلَى أَحْزَانُهَا لِنَفَادٍ ... وَلَنَا الْحُزْنُ قَدْ نَرَاهُ جَدِيدَا
كَيْفَ تَفْنَى أَحْزَانُ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ ... مِرَارًا وَخَانَ مِنْهُ الْعُهُودَا؟
وَيْحَ نَفْسِي مَاذَا أَقُولُ إِذَا مَا ... أَحْضَرَ اللَّهُ رُسُلَهُ لِي شُهُودًا

پھر فرمایا

أَقِرَّ مَا عَمِلْتَ وَجَاوَزْتَ بِمَا ... كَانَ مِنْكَ فِيهِ الْحُدُودَا
لَمْ تَخَفْنِي لَمَّا اسْتَتَرْتَ مِنَ الْخَلْقِ ... وَبَارَزْتَنِي وَكُنْتُ شَهِيدَا
وَبِنَعْمَائِي كَانَ مِنْكَ الْمَعَاصِي ... لَمْ تَخَفْ سَطْوَتِي وَتَخْشَى الْعَبِيدَا

ابو عثمان مؤدب نے کہا کہ

لَا تَنْسَ ذَنْبَكَ إِنَّ اللَّهَ سَاتِرُهُ ... وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ مِنْ ذَنْبٍ تُبَاشِرُهُ

خَفْ غِبَّ ذَنْبِكَ وَارْجُ اللَّهَ مُزْدَجِرًا ... لَعَلَّ رَبَّكَ بَعْدَ الْخَوْفِ غَافِرُهُ
كَمْ مِنْ هَوًى لَكَ مَقْرُونًا بِمَعْصِيَةٍ ... أَصْبَحْتَ تَرْكَبُهُ وَاللَّهُ سَاتِرُهُ
بَرَّقْتَ ظَاهِرَكَ الْمَدْخُولَ بِاطِنُهُ ... إِنْ صَحَّ بَاطِنُ عَبْدٍ صَحَّ ظَاهِرُهُ
اعْمَلْ فَإِنَّكَ تُجْزَى مَا عَمِلْتَ بِهِ ... مَهْمَا عَمِلْتَ فَإِنَّ اللَّهَ خَابِرُهُ
أَسِرَّ مَا شِئْتَ أَنْ تُسِرَّ. . ... . . لَا تَخْفَى سَرَائِرُهُ
لَا شَيْءَ أَحْسَنُ مِنْ شَيْءٍ. . . ... كَانَ مِنْ حُسْنٍ فَاللَّهُ شَاكِرُهُ
لَا يَبْرَحُ الْمَرْءُ أَعْمَالًا تَقَلَّدَهَا ... أَلَيْسَ فِي عُنُقِ الْإِنْسَانِ طَائِرُهُ
الْبِرُّ أَكْرَمُ زَادًا وَالتُّقَى شَرَفٌ ... وَالْخَيْرُ اجْمَعْ لَا تَبْلَى ذَخَائِرُهُ

حضرت اشعثؒ کہتے ہیں کہ میں جیل میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جیل میں فرزدق شاعر شعروں کی قافیہ بندی میں مشغول ہے، تو کہنے لگا کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا کہ اے فرزدق! میرا خیال ہے کہ تو چھوٹے قدموں والا ہے تو ان قدموں کے لیے حوض کوثر کے پاس جگہ تلاش کرنا، تو میں نے انہیں کہا کہ میں نے فلاں فلاں عمل کیا ہے، میں نے فلاں عمل کیا ہے، تو اس پر ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ

إِنَّ التَّوْبَةَ لَا تَزَالُ تُقْبَلُ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا عَمِلَ عَبْدٌ مَا عَمِلَ مِنْ شَيْءٍ (التوبہ لابن ابی الدنیا)

ہمیشہ توبہ قبول کی جاتی رہے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا، بندے نے کوئی عمل کیا یا کوئی عمل نہیں کیا۔

حضرت حارث بن سوید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بیمار تھے تو میں ان کی بیمار پرسی کرنے کے لیے گیا، ہم دونوں دو حدیثوں کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے کہ حدیث نفس کے بارے میں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے بارے میں، تو وہ فرمانے لگے کہ

إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ مِثْلَ ذُبَابٍ عَلَى أَنْفِهِ فَذَبَّهُ عَنْهُ

مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسا کہ وہ کسی پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہے اور وہ خوف زدہ ہے کہ کہیں یہ پہاڑ اس کے اوپر نہ گر جائے، اور گناہ گار فاجر انسان اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے کہ ایک مکھی اس کی ناک پر بیٹھی ہے جو اس سے اڑ گئی ہے۔

رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا

لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ فِي أَرْضٍ دَوِّيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ فَقَامَ يَطْلُبُهَا فَطَلَبَهَا حَتَّى أَدْرَكَهُ الْعَطَشُ، ثُمَّ قَالَ: أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِي الَّذِي كُنْتُ فِيهِ حَتَّى أَمُوتَ، قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا زَادُهُ، وَطَعَامُهُ، وَشَرَابُهُ، فَاللَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ هَذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ(مسلم)

البتہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ کی وجہ سے اس بندے سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ایک جنگل کی مہلک زمین میں تھا، اس کے ساتھ اس کی سواری بھی تھی، اس سواری پر اس کا کھانا پینا بھی تھا، پھر وہ سو گیا، پھر جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جاچکی تھی، وہ اس کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا، وہ اسے تلاش کرتے کرتے پیاس میں مبتلا ہو گیا، پھر وہ خیال کرتا ہے کہ میں اپنی اسی جگہ پر چلتا ہوں جہاں پر تھا موت تک وہیں رہوں گا، پھر وہ اپنا ہاتھ اپنے بازو پر رکھتا ہے تاکہ اسے موت آجائے، پھر وہ بیدار ہوا اور کیا دیکھتا ہے کہ وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے جس پر اس کا سامان اور توشہ تھا، اس کا کھانا تھا، اس کا پانی تھا، پس اس بندے کو اپنی سواری اور زاد سفر کے مل جانے پر جس قدر خوشی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ وہ کلمات جو حضرت آدم نے اللہ کی طرف سے پائے تھے وہ کلمات ادا کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تھی وہ کلمات یہ ہیں

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اللَّهُمَّ عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوءًا، وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَارْحَمْنِي وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوءًا، وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ(التوبہ)

اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ذات ہے، اے میرے اللہ! تیری تعریف وحمد کے ساتھ، اے میرے اللہ! میں نے برائی کی ہے، میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، پس تو مجھے معاف فرمادے، تو بہترین معاف کرنے والوں میں سے ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ہے، میں نے برائی کی ہے، میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، اس لیے تو مجھ پر رحم فرمادے، تو بہترین رحم کرنے والوں میں سے ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ذات ہے، میں نے برائی کی ہے، میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، میری توبہ قبول فرمالیجیے، بے شک آپ زبردست توبہ قبول کرنے والے، بہت زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

حضرت سعید بن سنان حمصی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام میں سے کسی نبی کی طرف وحی فرمائی کہ بے شک عذاب گھیرنے والا ہے، یہ بات اس نبی نے اپنی قوم سے کہہ دی، اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے بڑوں کو نکالیں تاکہ وہ توبہ کریں، چنانچہ وہ لوگ نکلے پھر انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے تین بڑوں کو اللہ کی طرف وفد بنا کر روانہ کریں، فرمایا کہ تین لوگ لوگوں کے سامنے نکلے، ان تین لوگوں میں سے ایک نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی

اللَّهُمَّ إِنَّكَ أَمَرْتَنَا فِي التَّوْرَاةِ الَّتِي أَنْزَلْتَ عَلَى عَبْدِكَ مُوسَى أَنْ لَا نَرُدَّ السُّؤَالَ إِذَا قَامُوا بِأَبْوَابِنَا، وَإِنَّا سُؤَّالٌ مِنْ سُؤَّالِكَ بِبَابٍ مِنْ أَبْوَابِكَ فَلَا تَرُدَّ مَنْ سَأَلَكَ، وَقَالَ الثَّانِي: اللَّهُمَّ إِنَّكَ أَمَرْتَنَا فِي التَّوْرَاةِ الَّتِي أَنْزلتَ عَلَى عَبْدِكَ مُوسَى أَنْ نَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمْنَا، وَإِنَّا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا فَاعْفُ عَنَّا، وَقَالَ الثَّالِثُ: اللَّهُمَّ إِنَّكَ أَمَرْتَنَا فِي التَّوْرَاةِ الَّتِي أَنْزَلْتَ عَلَى عَبْدِكَ مُوسَى أَنْ

نُعْتِقَ أَرِقَّاءَنَا، وَإِنَّا عُبَيْدُكَ وَأَرِقَّاؤُكَ فَأَوْجِبْ لَنَا عِتْقَنَا، قَالَ: فَأَوْحَى إِلَى النَّبِيِّ أَنَّهُ قَدْ قَبِلَ مِنْهُمْ، وَعَفَا عَنْهُمْ(التوبہ)

اے میرے اللہ! آپ نے اس تورات میں ہمیں حکم دیا جو آپ نے اپنے بندے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ ہم اپنے دروازے پر کھڑے ہو کر مانگنے والوں کو رد نہیں کرتے، تو ہم تیرے دروازوں میں سے ایک دروازے پر کھڑے سوال کرنے والوں میں سے ہیں، اس لیے جو تجھ سے سوال کرے تو اسے رد نہ فرما، دوسرے نے کہا کہ اے میرے اللہ! تو نے ہمیں اس تورات میں حکم دیا جو تو نے اپنے بندے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی کہ ہم ان لوگوں کو معاف کر دیں گے جس نے ہم میں سے ظلم کیا، اور ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اس لیے تو ہمیں معاف کر دے، تیسرے نے کہا کہ اے میرے اللہ! تو نے ہمیں اس تورات میں حکم دیا جو تو نے اپنے بندے موسیٰ پر نازل فرمائی کہ ہم اپنے غلاموں کو آزاد کر دیں گے، اور ہم تیرے غلاموں میں سے غلام ہیں، اس لیے ہمیں آزادی عطا فرمایئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے اور انہیں معاف کر دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو دلوں کے لحاظ سے بہت زیادہ نرم ہوتے ہیں۔(التوبہ لابن ابی الدنیا)

حضرت مالک ابن دینارؒ فرماتے ہیں کہ

بَلَغَنِي أَنَّ فَتًى، أَصَابَ ذَنْبًا فِيمَا مَضَى فَأَتَى نَهْرًا لِيَغْتَسِلَ فَذَكَرَ ذَنْبَهُ، فَوَقَفَ وَاسْتَحْيَا فَرَجَعَ فَنَادَاهُ النَّهْرُ: يَا عَاصٍ لَوْ دَنَوْتَ مِنِّي لَغَرَّقْتُكَ

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک نوجوان تھا، جس نے گناہ کیا تھا، وہ نہر کی طرف غسل کرنے کے لیے پہنچا، پھر اسے اپنا گناہ یاد آگیا تو وہ رک گیا، اسے حیا آئی، پھر وہ واپس لوٹا تو اسے نہر نے آواز دی کہ اے گناہ گار اگر تو میرے قریب آتا تو میں تجھے غرق کر دیتی۔

رحمت دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ أَكْثَرَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ، جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ(التوبہ)

جو شخص بہت زیادہ استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر غم سے نجات عطا فرمادیتے ہیں، ہر تنگی سے راستہ بنادیتے ہیں، اور اسے وہاں سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الشَّابَّ التَّائِبَ(التوبہ)

اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان کو پسند کرتے ہیں جو توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔

فارسی زبان کے ایک شاعر نے کہا کہ

در جوانی توبہ کردند شیوہ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار

اللہ تعالیٰ کو غافر الذنب اور قابل التوب کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے، اس لیے انسان اپنے گناہوں پر ندامت اختیار کرے اور شرمندگی کا اظہار کرے، اللہ کو منائے، اللہ کو راضی کرے، کبھی اپنے گناہوں پر جرأت اور جسارت نہ کرے، اس لیے کہ جب اللہ نے خود اپنے کو غافر الذنب فرمایا تو پھر اسے اللہ سے اپنے گناہ معاف کروانے چاہییں، جب اللہ نے اپنے کو قابل التوب فرمایا تو اسے اپنے اللہ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے۔

قیامت کے دن کفار کو اپنے اوپر غصہ

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ{۱۰}غافر.

جواب ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا ان کو پکارا جائے گا کہ یہ بات واقعی ہے کہ اللہ کا جو تم سے بغض ہے وہ اس بغض سے بہت بڑا ہے جو تمہیں خود اپنی جانوں سے ہے تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تو کفر اختیار کرتے تھے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

دنیا میں اہل کفر اپنے کو اچھا جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں ایمان والوں سے بہتر ہیں اور برتر ہیں، لیکن جب قیامت کے دن اپنی بدحالی دیکھیں گے تو خود اپنے نفسوں سے اور اپنی جانوں سے بغض کرنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تمہیں جتنا اپنے نفسوں سے بغض ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفسوں سے اس بغض سے بھی زیادہ بغض ہے اور یہ بغض اب سے نہیں ہے جب سے تم دنیا میں تھے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ کو تم سے بغض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم اس کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور کفر پر جمے رہتے تھے تمہیں بار بار ایمان کی دعوت دی گئی لیکن تم نے ہر بار حق کے قبول کرنے سے انکار کیا۔(انوارالبیان)

مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا وجُوّز اَنْ یراد بہ ، مقت بعضھم بعضا یعنی آپس میں تم میں جو آج ایک دوسرے سے بغض اور نفرت ہے کہ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو الزام دے رہے اور ایک دوسرے سے برأت ظاہر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے زیادہ بغض ہے۔(انوارالبیان)

مفسر قرآن علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

قیامت کے دن جبکہ کافر آگ کے کنوؤں میں ہوں گے اور اللہ کے عذابوں کو چکھ چکے ہوں گے اور تمام ہونے والے عذاب نگاہوں کے سامنے ہوں گے اس وقت خود اپنے نفس کے دشمن بن جائیں گے اور بہت سخت دشمن ہو جائیں گے۔ کیونکہ اپنے برے اعمال کے باعث جہنم واصل ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ان سے بہ آواز بلند کہیں گے کہ آج

جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہو اور جتنی دشمنی تمہیں خود اپنی ذات سے ہے اور جس قدر تم آج اپنے تئیں کہہ رہے ہو اس سے بہت زیادہ برے اللہ کے نزدیک تم دنیا میں تھے جبکہ تمہیں اسلام وایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے۔

کفار کو قیامت کے دن اپنے اوپر غصہ کیوں آئے گا اس کی علماء تفسیر نے چند توجیہات پیش کی ہیں،

(۱) قیامت کے دن جب وہ جنت اور دوزخ کو دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر غصہ آئے گا کہ کیوں انہوں نے دنیا میں اپنی تکذیب اور اپنے کفر پر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں آج وہ دوزخ کی آگ میں جل رہے ہیں۔

(۲) کافر سرداروں کے پیروکار اپنے سرداروں پر غصہ کریں گے کہ کیوں انہوں نے ان کو شرک اور بت پرستی پر لیایا جس کی وجہ سے آج انہیں دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے اور ان سرداروں کو اپنے پیروکاروں پر غصہ آئے گا ان پیروکاروں نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی اور بت پرستی کو کیوں نہ ترک کیا، کیونکہ پیروکاروں کی پیروی کرنے کی وجہ سے آج انہیں دہرا عذاب ہو رہا ہے۔

(۳) جب دوزخ میں ابلیس کافروں سے یہ کہے گا: میں نے تم پر کفر کرنے کے لیے کوئی جبر نہیں کیا تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو کفر کرنے کی دعوت دی سو تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا، لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو، تم اپنے آپ کو ملامت کرو۔ (ابراہیم:۲۲)

اس وقت کافروں کو اپنے اوپر شدید غصہ آئے گا کہ انہوں نے ابلیس کی دعوت کیوں قبول کی اور کیوں اس وجہ سے دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ کفار سے بلند آواز میں یہ خطاب جہنم کے محافظ کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب سے ان کو ندا کی جائے، باقی اس آیت میں یہ فرمایا ہے: "اللہ کو ان پر جو غصہ ہو گا وہ ان کے غصہ سے کہیں زیادہ ہے "غصہ کا معنی ہے: خون کا جوش میں آنا اور یہ اللہ کے لیے محال ہے، اس لیے یہاں اس کا لازمی معنیٰ مراد ہے یعنی ان پر انکار کرنا اور ان کو زجر توبیخ کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔(تفسیر تبیان القرآن)

دوہری موت وحیات

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ{۱۱}غافر۔

جواب ترجمہ: وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تونے ہمیں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو کیا (ہمارے دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں

کافر عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی پہلی بار جب ہمیں پیدا کیا اس وقت ہم بے جان تھے کیونکہ منی کا نطفہ تھے آپ نے ہمیں زندہ فرما دیا ماؤں کے پیٹوں میں روح پھونک دی، پھر ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اور آپ کی مشیت کے مطابق زندگی بڑھتی رہی، پھر آپ نے ہمیں موت دے دی، جس کی وجہ سے ہم قبروں میں چلے گئے، پھر آج آپ نے ہمیں قیامت کے دن زندہ فرمایا۔

ہم پر دو موتیں طاری ہوئیں اور دو زندگیاں آئیں ایک پہلے اور ایک اب یہ آپ کے تصرفات ہیں ہمیں چاہیے تھا کہ ہم دنیا والی زندگی میں ایمان قبول کرتے اور شرک اور کفر سے بچتے ہم یہی سمجھتے رہے کہ دنیا والی زندگی کے بعد جو موت آئے گی اس کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے یہ ہماری غلطی تھی اب ہم اس زندگی میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اب تو ہمیں عذاب سے چھٹکارا مل جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہاں ایمان قبول کریں گے اور نیک اعمال اختیار کریں گے اور اس کے بعد پھر جب موت آئے تو اچھی حالت میں میدان حشر میں حاضر ہوں۔ (تفسیر انوار البیان)

مفسر قرآن حضرت صوفی عبد الحمید سواتی فرماتے ہیں کہ

دو مرتبہ موت وحیات کے متعلق مفسر سدیؒ کہتے ہیں کہ پہلی موت اس دنیا میں آتی ہے اور انسان کو برزخ میں سوال وجواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اس کے بعد اس پر دوسری مرتبہ موت طاری ہوتی ہے اور حشر کے دن اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس طرح گویا ہر انسان کے لیے دو اموات اور دو زندگیاں ہو گئیں۔

مگر جمہور مفسرین جن میں امام بیضاویؒ، امام ابن جریرؒ، امام ابن کثیرؒ صاحب بیان القرآنؒ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود حضرت قتادہؒ، امام ضحاکؒ، اور دیگر بڑے بڑے مفسرین شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جب انسان پیدائش سے پہلے بے جان لوتھڑا تھا، پھر حمل کے چوتھے مہینے میں شکم مادر میں اس ڈھانچے میں اللہ تعالیٰ نے روح ڈالی تو اس کو زندگی حاصل ہو گئی۔

پھر جب انسان پیدا ہو کر اپنی زندگی پوری کرتا ہے تو اس پر اس دنیا میں موت طاری ہو جاتی ہے، یہ اس کی دوسری موت ہو گئی اور قیامت والے دن دوبارہ زندگی اس کی دوسری زندگی شمار ہو گی، اس نظریے کے ثبوت میں مفسرین سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸، پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (۲۸)

تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو، حالانکہ تم مردہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تم پر موت طاری کرتا اور قیامت کو پھر زندہ کرے گا۔

مفسر حقانیؒ فرماتے ہیں کہ آخرت کی زندگی کا آغاز عالم برزخ سے ہو جاتا ہے جب کسی انسان کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کی روح کو دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے اور پھر اس مرنے والے سے قبر کے سوال وجواب ہوتے ہیں، اس ابتدائی حساب کتاب کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی درجے تک قائم رہتا ہے، جبھی تو اس کو سزا یا راحت کا احساس ہوتا رہتا ہے۔

قرآن کی بعض آیات اور متعدد احادیث صحیحہ سے برزخ کی سزا یا جزا کا ثبوت ملتا ہے بعض معتزلہ قسم کے فرقوں نے اس کا انکار کیا ہے مگر یہ گمراہی اور کفر کے مترادف ہے قبر کی زندگی کو مکمل قید کی بجائے ادنیٰ درجے کی حوالات کی زندگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلی زندگی سے مراد عہد الست والی زندگی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کی پشت سے تمام ارواح انسانی کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا تھا

الست بربکم قالوا بلی (اعراف ۸۲)

اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو سب نے جواب دیا تھا کیوں نہیں تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔

اس عہد کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب پر موت طاری کر دی اور یہ انسان کی پہلی موت ہے پھر انسان کی پیدائش کے وقت دوسری زندگی دی اور پھر جب اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو دوبارہ موت دے دیتا ہے پھر جب حشر قائم ہو گا تو انسان کو دوسری دفعہ زندگی نصیب ہو گی اس طرح دو اموات اور دو زندگیاں ہو گئیں۔ (تفسیر معالم العرفان)

قیامت کی ہولناکی

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ{۱۸}غافر.

جواب ترجمہ: (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک ایسی مصیبت کے دن سے ڈراؤ جو قریب آنے والی ہے، جب لوگوں کے کلیجے گھٹ گھٹ کر منہ کو آجائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو اس بات سے ڈرائیں کہ روز محشر قریب آرہا ہے، اگرچہ یہ لوگ اسے بعید سمجھتے ہیں، یہ وہ وقت ہو گا کہ

اللہ کے عذاب کے خوف اور ڈر سے بندوں کے دل سینے سے اوپر اٹھ کر ان کے حلق میں اٹک جائیں گے، اور یہ لوگ غم و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے، یہ وہ دن ہو گا کہ ظالموں کے لیے کوئی ساتھی اور کوئی قریبی نہیں ہو گا، کوئی شفاعت کرنے والا بھی نہ ہو گا جو ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سفارش ہی کرے کہ اس کی سفارش ان کے حق میں قبول کی جائے۔

ازفہ قیامت کا ایک نام ہے۔ اس لئے وہ بہت ہی قریب ہے جیسے فرمان ہے

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (النجم : ۵۷)

یعنی قریب آنے والی قریب ہو چکی ہے، جس کا کھولنے والا بجز اللہ کے کوئی نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر :۱)

قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمان ہے

(اِقْتَرَبَ للنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الأنبياء :۱)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا اور فرمان ہے (امر الله فلا تستعجلوه) اللہ کا امر آ چکا اس میں جلدی نہ کرو۔

اور آیت میں ہے

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ(الملک :۲۷)

جب اسے قریب دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔

الغرض اسی نزدیکی کی وجہ سے قیامت کا نام اُزفہ ہے۔ اس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے۔ وہ خوف و ہراس ہو گا کہ کسی کا دل ٹھکانے نہ رہے گا۔ سب پر غضب کا سناٹا ہو گا۔ کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلے گی۔ کیا مجال کہ بے اجازت کوئی لب ہلا سکے۔ سب رو رہے ہوں گے اور حیران و پریشان ہوں گے۔

جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کا آج کوئی دوست غمگسار نہ ہو گا جو انہیں کام آئے۔ نہ شفیع اور سفارشی ہو گا جو ان کی شفاعت کے لئے زبان ہلائے۔ بلکہ ہر بھلائی کے اسباب کٹ چکے ہوں گے، اس اللہ کا علم محیط کل ہے۔ تمام چھوٹی بڑی چھپی کھلی باریک موٹی اس پر یکساں ظاہر باہر ہیں، اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو ہر شخص کو ڈرنا چاہئے اور کسی وقت یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں۔ بلکہ ہر وقت یہ یقین کرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کا علم میرے ساتھ ہے اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رکا رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آنکھوں کی خیانت، دل کے بھید جاننے والا

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے نیز بتائیے کہ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ کا کیا معنیٰ ہے؟

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ{۱۹}غافر.

جواب اللہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے، اور ان باتوں کو بھی جن کو سینوں نے چھپا رکھا ہے۔

انسان دیکھتی آنکھوں سے گناہ کرتا ہے، دھڑکتے دل اور سوچتے دماغ سے گناہ کی منصوبہ بندی کرتا ہے، یوں اس کے ظاہری اعضا اور باطنی اعضاء رب تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کئی مقامات پر انسانوں کو آگاہ فرمارہے ہیں کہ آنکھوں کی نافرمانیوں اور دلوں کے خیالات میں پوشیدہ رازوں کو جاننے والا ہے، دلوں کے بھید سے وہ آگاہ ہے، وہ کالی رات، کالے پتھر پر چلنے اور رینگنے والی چیونٹی کی نقل و حرکت سے آگاہ ہے، یہاں آنکھوں اور دلوں کی خیانت کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ میں وہ بھی جانتا ہوں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ آنکھوں کی خیانت سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی غیر محرم عورت کی طرف دیکھے، ہاں اگر اچانک کسی طرف نظر پڑ جائے تو وہ انسان کے لیے معاف ہے لیکن اس کو دوسری نظر ڈالنے کی اجازت نہیں۔

حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ

سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي(مسلم)

میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کسی عورت پر اچانک نظر پڑنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی نظر ہٹالو۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا سے ارشاد فرمایا کہ

يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ

اے علی! تم ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا، کیونکہ پہلی بار تمہیں معاف ہے اور دوسری بار کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔(ابو داؤد، سنن ترمذی)

جب انسان کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا ہے تو دراصل وہ اس کی نظر نہیں ہوتی بلکہ شیطان کی طرف سے چھوڑا ہوا ایک تیر ہوتا ہے، جو اس کے دل میں جا کر پیوست ہو جاتا ہے اور جب انسان کسی خوبصورت بے ریش لڑکے کی طرف دیکھتا ہے تو شیطان اس کو انسان کی نگاہ میں اجنبی عورت سے سو گنا زیادہ حسین بنا کر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جب کسی اجنبی عورت کی محبت اس کے دل میں گھر کر جائے تو اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا ایک شرعی جائز طریقہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کرلے لیکن اگر وہ کسی بے ریش لڑکے پر فریفتہ ہو جائے تو سوائے گناہ کے اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا کوئی جائز راستہ نہیں ہے۔

انسان کے دل میں خواہشیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان سب کی خبر ہے اور سب کا علم ہے خواہ وہ نیک خواہشیں ہوں یا بری خواہشیں ہوں لیکن اللہ انسان پر اسی وقت گرفت فرماتا ہے جب وہ اپنی کسی ناجائز خواہش کو پورا کرنے کا عزم مصمم کرلے۔(تبیان)

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

تمام چھوٹی بڑی چھپی کھلی باریک موٹی اس پر یکساں ظاہر باہر ہیں، اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو ہر شخص کو ڈرنا چاہئے اور کسی وقت یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں۔ بلکہ ہر وقت یہ یقین کرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کا علم میرے ساتھ ہے اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رکا رہے۔

آنکھ جو خیانت کے لئے اٹھتی ہے گو بظاہر وہ امانت ظاہر کرے۔ لیکن رب علیم پر وہ مخفی نہیں، سینے کے جس گوشے میں جو خیال چھپا ہو اور دل میں جو بات پوشیدہ اٹھتی ہو اس کا اسے علم ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ

وَهُوَ الرَّجُلُ يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ، وَفِيهِمُ الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ، أَوْ تَمُرُّ بِهِ وَبِهِمُ الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ، فَإِذَا غَفَلُوا لَحَظَ إِلَيْهَا، فَإِذَا فَطِنُوا غَضَّ، فَإِذَا غَفَلُوا لَحَظَ، فَإِذَا فَطِنُوا غَضَّ [بَصَرَهُ عَنْهَا] وَقَدِ اطَّلَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِهِ أَنَّهُ وَدّ أَنْ لَوِ اطَّلَعَ عَلَى فَرْجِهَا(ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

اس آیت سے مراد وہ شخص ہے جو مثلاً کسی گھر میں گیا وہاں کوئی خوبصورت عورت ہے یا وہ آجارہی ہے، یا تو یہ کن اکھیوں سے اسے دیکھتا ہے، جہاں کسی کی نظر پڑی تو نگاہ پھیر لی اور جب موقع پایا آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا، پس خائن آنکھ کی خیانت کو اور اس کے دل کے راز کو اللہ علیم خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں تو یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پوشیدہ عضو بھی دیکھ لے۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد هُوَ الْغَمْزُ آنکھ مارنا اشارے کرنا اور بن دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی یا دیکھی ہوئی چیز کو ان دیکھی بتانا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ نگاہ جس نیت سے ڈالی جائے اللہ پر روشن ہے۔ پھر سینے میں چھپا ہوا خیال کہ اگر موقع ملے اور بس ہو تو آیا یہ بدکاری سے باز رہے گا یا نہیں۔ یہ بھی وہ جانتا ہے۔

سدی فرماتے ہیں دلوں کے وسوسوں سے وہ آگاہ ہے، وہ عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے قادر ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی دے اور برائی کی سزا بری دے۔ وہ سننے دیکھنے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ وہ بروں کو ان کی کرنے کی سزا اور بھلوں کو ان کی بھلائی کی جزا عنایت فرمائے گا۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں خواہ وہ بت اور تصویریں ہوں خواہ اور کچھ وہ چونکہ کسی چیز کے مالک نہیں ان کی حکومت ہی نہیں تو حکم اور فیصلے کریں گے ہی کیا؟ اللہ اپنی مخلوق کے اقوال کو سنتا ہے۔ ان کے احوال کو دیکھ رہا ہے جسے چاہے راہ دکھاتا ہے جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اس کا اس میں بھی سراسر عدل وانصاف ہے۔

مومن آل فرعون کی ایمان افروز گفتگو

سوال آل فرعون کے مومن شخص نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے کیا کہا تھا؟

جواب آل فرعون میں ایک شخص ایسا تھا جو اللہ کی ذات پر ایمان رکھتا تھا، مگر وہ شخص اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا وہ اپنی قوم کی سیاہ کاریوں کو دیکھ کر ان سے کہہ رہا تھا کہ تم لوگ ایک شخص کے قتل کرنے کو کیونکر حلال جانتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار تو اللہ ہے، حالانکہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ آچکی ہیں کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے وہ سچ کہتا ہے، اگر موسیٰ جو باتیں کہتے ہیں وہ جھوٹی ہیں تو ان باتوں کا وبال انہی پر ہو گا۔

اگر موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں تو پھر وہ تم سے جس چیز کا وعدہ کرتے ہیں وہ تمہیں پہنچ کر رہے گی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پیش قدمی کرکے حدود

پھلانگنے والے کو حق کی توفیق نہیں دیتے، وہ اللہ کی طرف نسبتیں کرنے میں جھوٹا ہوتا ہے، اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہی ہے، مصر میں رہنے والے بنی اسرائیل اور ان کے علاوہ لوگوں پر تمہاری غالب اکثریت ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر عذاب مسلط کر دے تو پھر ہمیں کون بچا سکتا ہے؟

فرعون نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم! میں جس بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں وہی ہوتی ہے جو اپنے لیے بہتر سمجھتا ہوں، یہ چیز تمہارے لیے درست اور بہتر ہوتی ہے، میں تمہیں صرف سچ اور درست راستے کی طرف ہی دعوت دیتا ہوں۔

آل فرعون کے مومن شخص نے فرعون اور اس کے وڈیروں کو وعظ کرتے اور ڈراتے ہوئے کہا کہ اگر تم موسیٰ کو قتل کروگے تو مجھے تم پر اس دن کی طرح کا خوف ہے جس دن انبیاء علیہ السلام کے خلاف لشکر کشی کی گئی تھی، جس طرح قوم نوح، عاد، ثمود کی عادت تھی، اور جو لوگ ان کے بعد کفر کرتے ہوئے اور نبیوں کو جھٹلاتے ہوئے آئے، ان لوگوں کو اللہ نے اسی وجہ سے ہلاک کیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا، کہ انہیں بغیر کسی گناہ کے یونہی عذاب دے دے، اللہ تعالیٰ ظلم و نقصان سے بہت ہی بلند اور بڑا ہے۔

اے میری قوم! میں تم پر بروز محشر عذاب سے ڈرتا ہوں، جس دن بعض لوگ بعض لوگوں کو بلائیں گے، یہ لوگ اس دن جہاں کھڑے ہوں گے سخت ہولناک حالات سے دوچار ہوں گے، اس دن تم لوگ بھاگ رہے ہوگے، تمہارے لیے کوئی ایسا بندہ نہیں ہوگا جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچائے، تمہارا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا جو تمہاری مدد کرے اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے اور اسے ہدایت کی طرف توفیق نہ عطا فرمائے تو اسے ہدایت اور درست راستے کی طرف ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بڑی عزت و بزرگی والے رسول بھیجے، ان میں حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں، جو اپنی صداقت اور

حقانیت پر واضح دلائل رکھتے تھے، انہوں نے تمہیں اکیلے اللہ اور لاشریک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، مگر تم لوگ ہو کہ ان کی زندگی میں جو کچھ وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے اسے شک بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ اس دنیا سے چلے گئے تو تمہارے شک اور تمہارے شرک میں اضافہ ہو گیا، اور تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا، اسی طرح کی گمراہیوں کے باعث اللہ تعالیٰ حق سے تجاوز کرنے والے ہر شخص کو گمراہ کرتا ہے، جو اللہ کی وحدانیت میں شک کرتا ہے، ایسے شخص کو اللہ ہدایت اور درست راستے کی طرف ہدایت نہیں دیتا۔

اس ایمان والے شخص نے اپنی نصیحت کو دہراتے ہوئے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! میری پیروی کرو میں تمہیں راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہوں، اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی ایسی زندگی ہے جس میں لوگ تھوڑی عیش کرتے ہیں، پھر یہ عیش ختم ہو جاتی ہے، اس لیے مناسب بات یہی ہے کہ تم اس کی طرف میلان نہ رکھو، آخرت کی زندگی ایسی زندگی ہے جس کی نعمتیں سدابہار ہیں، وہی ٹھہرنے کی جگہ ہے، جس میں تم رہو گے۔

مناسب یہی ہے کہ تم آخرت کی زندگی کو ترجیح دو، اور نیک عمل کرو، جو تمہیں اس زندگی میں سعادت مند بنادے، جس نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور راہ ہدایت سے انحراف کیا اس کی سزا آخرت میں اس کی معصیت اور نافرمانی کے بقدر ہے، اور جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی اور نیک کام کیے، اللہ کے احکامات پر عمل کیا اور اس کی منہیات سے اجتناب کیا۔

اہے وہ مرد ہے یا عورت، وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان رکھتا ہے وہ جنت میں داخل ہو گا، اللہ تعالیٰ جنت کے پھلوں میں سے اسے رزق دیں گے، اللہ اسے جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں گے، بے حد وحساب لذتیں اسے ملیں گی، اے میری قوم! میں کس طرح تمہیں اللہ پر ایمان اور اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے کی

دعوت دوں، یہ ایسی دعوت ہے جو تمہیں جنت تک پہنچائے گی، یہ ایسی دعوت ہے جو تمہیں دوزخ کی ہولناکی سے بچائے گی، اور تم ایسے لوگ ہو جو مجھے ایسے عمل کی طرف دعوت دیتے ہو جو اللہ کے عذاب کی طرف لے کر جانے والی ہے، اور دوزخ میں اللہ کی سزا کی طرف لے جانے والی ہے، تم مجھے ایسی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں، میں اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کروں جس کا مجھے علم نہیں کہ وہ اللہ کی ذات کے سوا مستحق عبادت ہے، اور اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت وبندگی کرنا یہ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے، اور یہ بہت ہی بری حرکت ہے۔

اور میں وہ شخص ہوں جو تمہیں ایسے راستے کی طرف دعوت دیتا ہوں جو اللہ کی طرف لے جانے والا اور پہنچانے والا ہے، اللہ وہ ذات ہے جو اپنے انتقال میں زبردست ہے، وہ بہت زیادہ اس شخص کو معاف کرنے والی ذات ہے جو اس کی طرف اپنی معصیت سے رجوع کرتا ہے، جس چیز کی طرف تم لوگ مجھے دعوت دیتے ہو وہ ایسی بات ہے جس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، تم یہ بات جان لو کہ ساری مخلوق کا ٹھکانہ اللہ کی طرف ہے۔

اللہ وہ ذات ہے جو ہر کام کرنے والے کو اس کے کام کا بدلہ دے گی، وہ لوگ جو گناہوں، خونریزی اور کفر کے ساتھ حدود کو پھلانگتے ہیں وہ دوزخ والے لوگ ہیں، جب اس ایمان والے بندے نے انہیں نصیحت کی اور انہوں نے اس کی پیروی نہ کی تو اس نے انہیں کہا تم یہ بات یاد کروگے کہ میں نے تمہیں نصیحت کی تھی، اور عنقریب تم لوگ ندامت اور شرمندگی کا سامنا کروگے مگر اس وقت تمہیں کسی قسم کی ندامت وشرمندگی کام نہ آئے گی، میں اللہ کی طرف توجہ کرتا ہوں، میں اسی کو مضبوطی سے تھامتا ہوں، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ بندوں کے حالات کو باریکی کے ساتھ دیکھنے والا ہے، اور ان حالات کو دیکھنے والا ہے کہ وہ لوگ کس جزا کے مستحق ہیں، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اس شخص کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے، ارشاد ہے

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِباً فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِن يَكُ صَادِقاً يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ{۲۸} يَا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِن بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ{۲۹} وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ{۳۰} مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْماً لِّلْعِبَادِ{۳۱} وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ{۳۲} يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ{۳۳} وَلَقَدْ جَاءكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءكُم بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولاً كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ{۳۴}غافر.

اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مومن شخص جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا بول اٹھا کہ کیا تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہی ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہو تو جس چیز سے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے اس میں کچھ تو تم پر آ ہی پڑے گی اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذر جانے والا (اور) جھوٹ بولنے کا عادی ہو۔ اے میری قوم! آج تو تمہیں ایسی سلطنت حاصل ہے کہ زمین میں تمہارا راج ہے، لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں ہماری مدد کرے؟۔

فرعون نے کہا میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں درست سمجھتا ہوں، اور میں تمہاری جو رہنمائی کر رہا ہوں وہ بالکل ٹھیک راستے کی طرف کر رہا ہوں، اور جو شخص ایمان

لے آیا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر ویسا ہی دن نہ آجائے جیسا بہت سے گروہوں پر آچکا ہے۔ (اور تمہارا حال بھی ویسا نہ ہو) جیسا حال نوح (علیہ السلام) کی قوم کا، اور عاد و ثمود کا اور ان کے بعد کے لوگوں کا ہوا تھا۔ اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اور اے میری قوم! مجھے تم پر اس دن کا خوف ہے جس میں چیخ و پکار مچی ہوگی۔ جس دم تم پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگو گے کہ کوئی بھی تمہیں اللہ سے بچانے والا نہیں ہوگا اور جسے اللہ بھٹکا دے اسے کوئی راستہ دکھانے والا میسر نہیں آتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے تب بھی تم ان کی لائی ہوئی باتوں کے متعلق شک میں پڑے رہے۔ پھر جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ اب کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ ان تمام لوگوں کو گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے جو حد سے گذرے ہوئے، شکی ہوتے ہیں۔ جو اپنے پاس کسی واضح دلیل کے آئے بغیر اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں۔ یہ بات اللہ کے نزدیک بھی قابل نفرت ہے اور ان لوگوں کے نزدیک بھی جو ایمان لے آئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر جابر شخص کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اسی طرح اس مقام پر دو آیات کے بعد پھر اس مومن شخص کا تذکرہ یوں ہے

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ{۳۸} يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ{۳۹} مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ{۴۰} وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ{۴۱} تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ{۴۲} لَا جَرَمَ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ

وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ{۴۳} فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ{۴۴}غافر.

اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اس نے کہا اے میری قوم !میری بات مانو، میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لے جاؤں گا۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو بس تھوڑا سا مزہ ہے۔ اور یقین جانو کہ آخرت ہی رہنے بسنے کا اصل گھر ہے۔ اور جس شخص نے کوئی برائی کی ہو گی، اسے اسی کے برابر بدلہ دیا جائے گا، اور جس نے نیک کام کیا ہو گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ اللہ کا انکار کروں، اور اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک مانوں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اور میں تمہیں اس ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو بڑی صاحب اقتدار، بہت بخشنے والی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، وہ دعوت کے اہل نہیں ہیں، نہ دنیا میں، نہ آخرت میں اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور یہ کہ جو لوگ حد سے گذرنے والے ہیں وہ آگ کے باسی ہیں۔ غرض تم عنقریب میری یہ باتیں یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے اس آدمی کا نام حبیب تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام شمعان تھا۔ سہیلی نے کہا: یہ سب سے صحیح قول ہے، تاریخ طبری میں ہے اس کا نام خبرک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام حزقیل تھا، ثعلبی نے یہ قول حضرت ابن عباس اور اکثر علماء سے ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: اس کا نام حبیب یا شمعان تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام خربیل یا حزبیل تھا۔

یہ اختلاف ہے کہ وہ قبطی تھا یا اسرائیلی تھا۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: یہ قبطی تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فرعون کا چچازاد تھا یہ سدی کا قول ہے کہا: یہ وہی شخص تھا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ بچا تھا اسی وجہ سے فرمایا: من اٰل فرعون یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مراد ہے

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِ یْنَۃِ یَسْعٰی (القصص: ۲۰) یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: آل فرعون میں اس کے، فرعون کی بیوی اور جس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ڈرایا تھا کوئی اور ایمان نہیں لایا تھا اس نے کہا تھا: سردار تمہیں قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

عذاب قبر

سوال فرعون والوں کو قبر میں عذاب دیے جانے پر کیا دلیل ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ

فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ{۴۵} النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوّاً وَعَشِيّاً وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ{۴۶}غافر.

نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے جو برے برے منصوبے بنا رکھے تھے، اللہ نے اس (مرد مومن) کو ان سب سے محفوظ رکھا اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے آگھیرا۔ آگ ہے جس کے سامنے انہیں صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آجائے گی (اس دن حکم ہو گا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔

اس مرد مومن نے بہت جرأت اور حوصلہ کے ساتھ حق کو بیان کیا اور کسی کے دباؤ میں آئے بغیر اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت پر دلائل بیان فرمائے اور المومن: ۳۴ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو

فرعون اور اس کے درباریوں کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے، فرعون نے اس مرد مومن کو جو عذاب پہنچانا چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ عذاب دور رکھا۔

امام ابن جریر طبری قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مرد مومن قبطی تھا اور وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ سمندر پار کر گیا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ (جامع البیان)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی نے اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے:
آل فرعون کا وہ مرد مومن فرعون کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر گیا اور وہاں نماز پڑھ رہا تھا، فرعون نے اس کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو بھیجا، جس وقت اس کے سپاہی وہاں پہنچے تو وہ مرد مومن نماز میں تھا اور جنگل کے درندے اور وحشی جانور اس پر پہرہ دے رہے تھے، وہ سپاہی ان کے پہرے کی وجہ سے اس کے قریب نہ جاسکے، انہوں نے جاکر فرعون کو اس واقعہ کی خبر دی فرعون ان کی ناکامی کی خبر سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے ان سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ (النکت والعیون ج۵ ص۱۵۹)

امام رازی نے اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ فرعون اور اس کے سرداروں نے یہ سازش کی تھی کہ اس مرد مومن کو حضرت موسیٰ سے برگشتہ کر کے فرعون کے دین کی طرف لایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور آل فرعون کا وہ مرد مومن تاحیات اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت کے عقیدہ پر قائم رہا۔ (تفسیر کبیر ج۹ ص۵۲۱ بحوالہ تبیان القرآن)

فرعون کے دربار کا رجل مومن پیغمبر نہیں تھا۔ مگر تنہا ہونے کے باوجود اللہ نے اس کو فرعون کے ظالمانہ منصوبوں سے بچالیا، اس سے معلوم ہوا کہ غیر انبیاء کو بھی حمایت حق کی وہ نصرت ملتی ہے جس کا وعدہ انبیاء سے کیا گیا ہے۔

انسانوں کے اخروی انجام کا باقاعدہ فیصلہ اگرچہ قیامت میں ہوگا، مگر موت کے بعد جب آدمی اگلی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو فوراً ہی اس پر کھل جاتا ہے کہ وہ پچھلی دنیا میں کیا کرکے یہاں آیا ہے اور اب اس کے لیے کون سا انجام مقدر ہے۔ اس طرح شعور کی سطح پر وہ موت کے بعد ہی اپنے انجام سے دوچار ہو جاتا ہے اور جسمانی سطح پر وہ قیامت میں خدا کی عدالت قائم ہونے کے بعد اس سے دوچار ہوگا۔ (تذکیر القرآن)

اہل دوزخ اور دوزخ کے نگرانوں کے درمیان مکالمہ

سوال دوزخ والوں اور جہنم کے فرشتوں کے درمیان کیا گفتگو ہوگی اسے بیان فرمائیں۔

جواب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اہل دوزخ اور دوزخ کے فرشتوں کے مابین ہونے والی گفتگو کو یوں بیان فرماتے ہیں

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْماً مِّنَ الْعَذَابِ{۴۹} قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاء الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ{۵۰}غافر.

اور یہ سب جو آگ میں پڑے ہوں گے، دوزخ کے نگرانوں سے کہیں گے کہ: اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے۔ وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر کھلی کھلی نشانیاں لے کر آتے نہیں رہے تھے ؟۔ دوزخی جواب دیں گے۔ کہ بیشک (آتے تو رہے تھے) وہ کہیں گے۔ پھر تو تم ہی دعا کرو، اور کافروں کی دعا کا کوئی انجام اکارت جانے کے سوا نہیں ہے۔

دنیا میں تکبر کرنے والے، اللہ کے دین کا استہزا کرنے والے لوگ دوزخ کے نگرانوں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب ہلکا کر دے تاکہ ہمیں کچھ راحت وآرام مل سکے، جہنم کے فرشتے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہیں گے یہ دعا

آج تمہیں کچھ نفع نہیں دے گی، کیا تمہارے پاس رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلائل کے ساتھ نہیں آئے تھے؟ اس کے بعد تم نے انہیں جھٹلایا تھا، چنانچہ انکار کرنے والے اس کا اعتراف کریں گے۔

اور کہیں گے کہ ہاں! ایسا ہی ہوا تھا، اس کے بعد دوزخ کے نگران ان سے برأت کا اعلان کریں گے، اور انہیں کہیں گے کہ ہم تمہارے لیے دعا نہیں کریں گے، نہ ہی تمہاری سفارش کریں گے، تم خود ہی دعا کرو، اگر تم دعا کرو گے بھی تو یہ دعا تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی، اس لیے کہ تم کافر ہو، اور کافروں کی دعائیں تو ضائع ہی ہو جاتی ہیں، اللہ کی بارگاہ میں انہیں قبول نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان دعاؤں کا اللہ کی طرف سے کوئی جواب دیا جاتا ہے۔

جب دوزخی دیکھیں گے کہ یہاں نہ ان کے شرکاء وشفعاء کام آنے والے بنے اور نہ ان کے لیڈر ہی ان کی کوئی مدد کر سکے تو وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر دوزخ کے داروغوں ہی سے التجا کریں گے کہ آپ ہی لوگ اپنے رب سے درخواست کیجیے کہ ہمارے عذاب میں زیادہ نہیں تو ایک ہی دن کی تخفیف کر دی جائے کہ ہم ذرا دم لے لیں۔ وہ جواب دیں گے کہ کیا تم لوگوں کے پاس تمہارے رسول نہایت واضح دلیلیں لے کر نہیں آتے رہے ہیں؟ وہ کہیں گے، ہاں! یہ بات تو ضرور ہے۔ وہ جواب دیں گے، اگر یہ بات ہے تو تم ہی درخواست کرو، ہم تمہارے جیسے لوگوں کے لئے کوئی درخواست نہیں کر سکتے۔

کیا آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو سارے نبیوں کے حالات بتائے گئے؟

سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تمام انبیاء کرام کے واقعات اور حالات بیان کیے؟

جواب جی نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تمام انبیاء کرام کے حالات و واقعات بیان نہیں فرمائے، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاء أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ{۷۸}غافر.

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں بتا دیئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں نہیں بتائے اور کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے پھر جب اللہ کا حکم آئے گا تو سچائی کا فیصلہ ہو جائے گا، اور جو لوگ باطل کی پیروی کر رہے ہیں، وہ اس موقع پر سخت نقصان اٹھائیں گے۔

غلام رسول سعیدی اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں

امام ابو نعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے، حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ ہیں، میں نے کہا: بہت اچھے ہیں۔

میں نے کہا: یارسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی، پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم، شیث اور خنوخ، یہ ادریس ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں: ھود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، اے ابوذر!

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں، آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے

گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۱۶۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں، اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری)

سعیدی لکھتے ہیں کہ جن نبیوں کا قرآن مجید میں صراحتاً نام ہے اور جن کا اشارتاً نام ہے بہر حال اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی رسول بھیجے وہ سب صادق اور برحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے معجزات دے کر بھیجا جو ان کے صدق پر دلالت کرتے تھے، پہلے نبی حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں اور باقی انبیاء پر اس طرح ایمان ہو گا کہ ان کی شریعت ان کے زمانہ میں نافذ العمل تھی اور اب ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور سیدنا محمد ﷺ پر یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ آپ خاتم الانبیاء والرسل ہیں اور جو شخص آپ کے رسول ہونے پر ایمان لایا اور آپ کے خاتم الرسل ہونے پر ایمان نہیں لایا وہ مومن نہیں ہو گا۔

قرآن مجید میں اٹھائیس (۲۸) انبیاء (علیہم السلام) کے نام مذکور ہیں: (۱) حضرت آدم (۲) حضرت نوح (۳) حضرت ادریس (۴) حضرت صالح (۵) حضرت ہود (۶) حضرت ابراہیم (۷) حضرت اسماعیل (۸) حضرت اسحاق (۹) حضرت یعقوب (۱۰) حضرت یوسف (۱۱) حضرت لوط (۱۲) حضرت موسیٰ (۱۳) حضرت ہارون (۱۴) حضرت شعیب (۱۵) حضرت زکریا (۱۶) حضرت یحییٰ (۱۷) حضرت عیسیٰ (۱۸) حضرت دائود (۱۹) حضرت سلیمان (۲۰) حضرت الیاس (۲۱) حضرت الیسع (۲۲) حضرت ذوالکفل (۲۳) حضرت ایوب (۲۴) حضرت یونس (۲۵) حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ (تفسیر تبیان القرآن)

ناقص اور بے کار علم

سوال اس پر کیا دلیل ہے کہ ہر وہ علم جو اسلام کو توڑتا ہو، اس میں قدح کرتا ہو یا اس کی صحت میں شک کرتا ہو وہ مذموم اور ممقوت ہے اور اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ یہ اتباع محمد ﷺ نہیں ہے۔

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ

فَلَمَّا جَاءتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُون{۸۳}غافر.

چنانچہ جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے تب بھی وہ اپنے اس علم پر ہی ناز کرتے رہے جو ان کے پاس تھا، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اسی نے ان کو آگھیرا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ

یعنی ان عاقبت نااندیش منکرین کے پاس جب اللہ تعالیٰ کے رسول دلائل واضحہ توحید و ایمان کو لے کر آئے تو یہ لوگ اپنے علم کو انبیاء کے لائے ہوئے علم سے بہتر اور حق سمجھ کر انبیاء کے کلام کا رد کرنے لگے۔ یہ علم جس پر کفار خوش اور مگن تھے اور اس کے مقابلہ میں انبیاء کے علوم کو رد کرتے تھے۔ یا تو ان کا جہل مرکب تھا کہ ناحق اور باطل کو حق و صحیح سمجھ بیٹھے تھے۔ جیسے یونانی فلاسفہ کے بیشتر علوم و تحقیقات جو الہیات سے متعلق ہیں اسی نمونہ کی ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ ان کو جہل مرکب تو کہہ سکتے ہیں۔ ان کا نام علم رکھنا علم کی توہین ہے۔ یا پھر ان کے اس علم سے مراد دنیا کی تجارت، صنعت وغیرہ کا علم ہے جس میں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے۔

اور قرآن نے ان کے اس علم کا ذکر سورۃ روم کی آیت میں اس طرح فرمایا ہے

يعلمون ظاہراً من الحيوة الدنيا وهم عن الآخرة هم غفلون۔

یعنی یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس کے منافع حاصل کرنے کو تو کچھ جانتے سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جہاں کی راحت و کلفت دائمی ہے اس سے بالکل جاہل و غافل ہیں۔ اس آیت میں بھی اگر یہی علم ظاہر دنیا کا مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر اور وہاں کی راحت و کلفت سے جاہل و غافل ہیں۔ اس لئے اپنے اسی ظاہری ہنر پر خوش اور مگن ہو کر انبیاء کے علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (مظہری)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس علم معاش یعنی دنیا کی زندگی گذارنے کا علم تو تھا مگر ان کے پاس علم معاد نہیں تھا۔ جس کو بروئے کار لا کر وہ نہ صرف دنیا میں کامیاب ہو سکتے تھے بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کو بھی بہتر بنا سکتے تھے ان کے پاس دنیا کا علم نہیں تھا جس کے ذریعے وہ عقیدہ اعمال اور اخلاق کو درست کر سکتے۔ محض معاش کا علم تو آج بھی دنیا میں بہت زیادہ ہے آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے علم طب و جراحت اپنے عروج پر ہے، صنعت و حرفت کی بدولت نئی نئی چیزیں سامنے آ رہی ہیں، مگر وہ علم نہیں ہے جو اللہ کے نبیوں پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔

موجودہ زمانے میں امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ اپنے آپ کو بڑا ترقی یافتہ سمجھتے ہیں مگر ان کا سارا علم و ہنر معیشت کے گرد گھومتا ہے اور وہ اسی کو علم کل سمجھتے ہیں اور اصل علم کی طرف نہیں آتے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے میں کسی نے ایک بہت بڑے فلسفی سے کہا کہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب فیض کریں اور ان کی دعوت کو قبول کریں، تو وہ شخص کہنے لگا کہ ہم تو خود عالم فاضل اور مہذب آدمی ہیں، ہمیں موسیٰ (علیہ السلام) کی اتباع کی کوئی ضرورت نہیں نبیوں کی تعلیم و تربیت جاہل لوگوں کے لئے ہوا کرتی ہے، وہ ان کی راہنمائی کرتے ہیں ہمیں تو ضرورت نہیں۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ کسی نے افلاطون یا کسی دوسرے فلاسفر سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق دریافت کیا تو اس فلسفی نے عیسیٰ (علیہ السلام) کا امتحان لینا چاہا کہتے ہیں کہ اس نے آپ سے سوال کیا کہ اگر زمین و آسمان ایک کمان کی شکل اختیار کرلیں اور دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام حوادثات کو تیر تصور کرلیا جائے اور اس تیر کمان کو چلانے والا خود خدا ہو تو پھر اس تیر کمان کے حملے سے بچاؤ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ بچاؤ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ بچاؤ کی ایک صورت ہے کہ دوڑ کر خدا تعالیٰ کے دامن میں پناہ حاصل کرلی جائے۔ قرآن کریم میں موجود ہے "ففروا الی اللہ" اللہ کی طرف دوڑ کر جاؤ تو ہر شر سے پناہ حاصل ہو جائے گی۔ تو اس شخص نے یہ جواب سن کر اقرار کیا کہ ایسے مشکل سوال کا جواب نبی کے بغیر کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ واقعی اللہ کے نبی ہیں مگر ہمیں ان کی ضرورت نہیں، ہم خود مہذب لوگ ہیں۔ (تفسیر معالم العرفان: ص:۳۲۷،۳۷۳: ج:۱۶ بحوالہ معارف الفرقان)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی رسول صحیح علم لے کر آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ تمہارے علم سے وہ علم جو ہمارے پاس ہے وہ زیادہ صحیح اور لائق اعتماد ہے۔ جو سنی سنائی باتیں ان کے پاس تھیں، جو فلسفیانہ نظریات انہوں نے اپنے فلسفیوں سے سیکھے تھے یا اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں جو من گھڑت افسانے انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں سے سن رکھے تھے ان کو ہی انہوں نے اپنی فلاح و نجات کے لئے کافی سمجھ لیا اور انبیا کرام کی پاکیزہ تعلیمات کی طرف ہر گز توجہ نہ دی۔ موسیٰ (علیہ السلام) اور سقراط فلسفی کا زمانہ ایک ہے۔ سقراط نے جب آپ کا چرچا سنا اور لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرو تو اس نے کہا: نحن قوم مھذبون فلا حاجۃ لنا الی ما یھدینا کہ ہم مہذب و شائستہ قوم ہیں۔ ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

جب اللہ تعالیٰ کے رسول ان کی زندگی کی اصلاح کے لیے ان کے پاس وہ علم لے کر آئے جس کے نتیجے میں انسانی زندگی کی ہر چول اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہے۔ فکری صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے، قلبی انتشار سکون میں تبدیل ہو جاتا ہے، معاملات میں اعتدال پیدا ہوتا اور حقوق میں ایثار و اخلاص کی خو جنم لیتی ہے۔ تو یہ لوگ بجائے اس نسخہ کیمیا کے قبول کرنے کے اپنے فلسفے اور سائنس، اپنے قانون، اپنے دنیوی علوم اور اپنے پیشوائوں کے گھڑے ہوئے مذہبی افسانوں اور دینیات ہی کو اصلی علم سمجھتے ہوئے اس پر جمے رہے۔ اور انبیاء (علیہم السلام) کے لائے ہوئے علم کو ہیچ سمجھ کر اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ تو آخر اس عذاب نے ان کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جو کچھ ہم دنیا کے بارے میں جانتے ہیں یہی علم کی معراج ہے اور جو کچھ یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہمیں بتارہے ہیں یہ محض افسانے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا یہ پندار اور خود پسندی ان کی تباہی کا باعث بنی۔ (تفسیر روح القرآن)

انسان کو صحیح علم کی روشنی قرآن وسنت سے ہی مل سکتی ہے، انبیاء کرام کے علوم پائیدار ہوتے ہیں، ان کے مقابلے میں کوئی علم پائیدار نہیں ہوتا، علوم انبیاء کے مقابلے میں اپنی ناقص معلومات کو ترجیح دینا اور اسلام کا استہزا کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج سورۃ غافر کی منتخب آیات کی تفسیر اہل علم کے تفسیری حواشی کی روشنی میں مکمل کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس متواضع کاوش کو خالص اپنی رضا کے لیے بلا استحقاق قبول اور منظور فرمائے۔

خادم اسلام

محمودالرشیدحدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور۔۶ فروری ۲۰۱۸ء بروز منگل، رات بارہ بجے

❀

فصلت

قرآن کریم کی صفات

سوال: اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ{٣} بَشِيراً وَنَذِيراً فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ{٤}فصلت.

جواب: ترجمہ: یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل طریقہ پر بیان کی گئی ہیں یعنی یہ قرآن ہے جو عربی ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں، یہ قرآن خوشخبری دینے والا بھی ہے، اور خبر دار کرنے والا بھی پھر بھی ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ موڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں وہ سنتے نہیں ہیں۔

قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی آیات کامل طریقہ سے بیان کی گئی ہیں، اس کے معانی، مفاہیم، مطالب اور احکامات کی وضاحت کی گئی ہے، یہ قرآن کریم عربی زبان میں ہے جس کا سمجھنا ایسی قوم کے لیے آسان کر دیا گیا ہے جو عربی زبان کو جانتی ہے، یہ قرآن ان لوگوں کو دنیا اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتا ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مقتضا کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

اور یہ قرآن کریم دنیا اور آخرت کے عذاب سے ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں، اس سے منہ موڑتے اور اعراض کرتے ہیں، اور اکثریت لوگوں کی ایسی ہی ہوتی ہے جو اس سے روگردانی کرتے ہیں، انحراف کرتے ہیں اور منہ موڑتے ہیں، وہ اسے سنتے بھی نہیں ہیں اور اگر سن بھی لیں تو اس طرح نہیں سنتے کہ وہ اسے مانیں، تسلیم کریں اور اس کے پیغام کو قبول کریں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ

یعنی آیات قرآن کا عربی زبان میں ہونا واضح اور صاف ہونا اور بشارت ونذارت پر مشتمل ہونا، یہ سب ایسے ہی لوگوں کو نفع دے سکتا ہے جو سوچنے اور سمجھنے کا ارادہ کریں۔ یعلمون کے لفظ سے اس جگہ یہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مراد ہے۔ مگر عرب اور قریش نے ان سب باتوں کے باوجود اس سے اعراض کیا، سمجھنا کیا سننا بھی گوارہ نہ کیا جس کا ذکر انہی آیات میں فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُهُمۡ سے فرمایا ہے۔(معارف القرآن)

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے قرآنا عربیا فرمایا یعنی اس حال میں کہ اس کے الفاظ عربی زبان کے ہیں، جو صاف اور واضح ہیں، ان کے معانی مفصل ہیں اور الفاظ واضح ہیں جن میں کوئی مشکل نہیں ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ

دو آیتوں میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی، اول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو رحمن ہے اور رحیم ہے یعنی بہت بڑا مہربان ہے بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے اس کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کتاب نازل فرمائے دوم یہ کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات مفصل ہیں یعنی خوب صاف صاف بیان کی گئی ہیں سوم یہ فرمایا کہ یہ قرآن کی آیات ہیں جو عربی ہے اس کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اس کا سمجھنا ان کے لیے آسان ہے اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے چونکہ بہت اعلیٰ ہے اس لیے بطور معجزہ اہل عرب پر اس کے ذریعہ حجت قائم ہوچکی ہے اب جو شخص ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا یوں تو قرآن سب ہی کو حق کی دعوت دیتا ہے اور سب ہی پر اس کا ماننا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اہل علم ہی اس سے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں اس لیے (لِقَوۡمٍ یَعۡلَمُوۡنَ) فرمایا۔

چہارم (بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا) فرمایا کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجود یہ کہ

قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجود یہ کہ قرآن خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان فرماتا ہے بشیر بھی ہے اور نذیر بھی۔

اکثر لوگ اس کی طرف سے اعراض یعنی روگردانی کرتے ہیں اور ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں اسی کو فرمایا (فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لاَ يَسْمَعُوْنَ) اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے اور جو کچھ سنا تھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے یوں کہنے لگے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے۔

تمہاری دعوت نہ ہمارے کان سننے کو تیار ہیں اور نہ ہمارے دلوں کو اس کا قبول کرنا گوارا ہے اور مزید یوں کہا کہ تم اگرچہ حسی اور جسمانی طور پر قریب ہو لیکن حقیقت میں ہمارے اور تمہارے درمیان بعد ہے اور پردہ ہے جو کچھ کہو ہم سننے اور ماننے والے نہیں ان لوگوں نے یہ بھی کہا (فَاعْمَلْ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ) کہ آپ اپنا عمل کرتے رہیں ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے۔

اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تمہارا کاٹ کریں گے یہ کہہ کر دعوت حق سننے اور قبول کرنے سے بالکل ہی انکاری ہو گئے۔ ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ہے چونکہ اس سے اصرار علی الکفر مقصود تھا اس لیے

وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا

اس کے منافی نہیں ہے جس میں جَعْلُ الْاَكِنَّةِ عَلَى الْقُلُوْبِ کی نسبت اللہ جل شانہٗ کی طرف کی گئی ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

زمین وآسمان کتنے ایام میں پیدا کیے گئے؟

سوال آسمان وزمین کتنے دنوں میں پیدا کیے گئے اور ان کا تذکرہ جن آیات میں ہے وہ ذکر کریں اور ان کی تفسیر بیان کریں۔

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا کہ

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَاداً ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ{۹} وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاء لِّلسَّائِلِينَ{۱۰} ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاء وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ اِئْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ{۱۱} فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظاً ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ{۱۲}فصلت.

آپ فرمادیجیے کیا تم ایسی ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا اور تم اس کے لیے شریک تجویز کرتے ہو وہ سارے جہانوں کا رب ہے، اور اس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے جو اس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں اور اس میں برکت ڈال دی اور اس میں توازن کے ساتھ اس کی غذائیں پیدا کیں۔ سب کچھ چار دن میں تمام سوال کرنے والوں کے لیے برابر پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ اس وقت دھویں کی شکل میں تھا اور اس سے اور زمین سے کہا: چلے آؤ چاہے خوشی سے یا زبردستی۔ دونوں نے کہا: ہم خوشی خوشی آتے ہیں سو اس نے دو دن میں سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا، اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دے دی اور حفاظت کی چیز بنادی یہ تقدیر ہے عزیز کی علیم کی۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ ان مشرکین سے فرمادیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین پیدا کی، تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، اس کا مثل ٹھہراتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو، یہی وہ پیدا کرنے والا ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اسی اللہ نے زمین میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور اس کے اوپر انہیں گاڑ دیا، اور اللہ نے ان میں برکت رکھی اور یہاں کے رہنے والے لوگوں کے لیے ان میں سدا خیر رکھی ہے، انہی میں اللہ تعالیٰ نے یہاں کے رہنے والے لوگوں کا رزق مقدر کیا ہے، انہیں انہی پہاڑوں سے

غذائیں مہیا کیں، اور وہ چیزیں ان کے لیے پیدا کیں جو ان کی معیشت کے لیے ضروری تھیں، یہ سب کچھ چار دنوں میں بنایا، ان میں دو دنوں میں زمین پیدا کی، دو دنوں میں پہاڑ پیدا کیے، اور ان میں رزق رکھا، پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو اطاعت کا حکم دیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو دو دنوں میں پیدا کیا، یوں زمین وآسمان کی تخلیق چھ دنوں میں مکمل ہو گئی، چھ دنوں میں زمین وآسمان کی تخلیق کیوں ہوئی اس کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ایک اشارہ کن سے پیدا کرنے کی قدرت وطاقت رکھتے ہیں۔

آسمانوں میں آسمان دنیا ایسا آسمان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دمکتے ستاروں کے ساتھ مزین کیا، پھر اسے ان شیاطین سے محفوظ کر دیا جو چوری چھپا بات سن لیتے تھے، یہ عجیب تخلیق ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ

یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا، یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔ ایک یہ آیت حم سجدہ کی اور دوسری سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت، تیسری سورۃ نازعات

وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا (۲۹) وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا (۳۰) أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا (۳۱) وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا (۳۲)

اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف سا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورۃ بقرہ اور سورۃ حم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورۃ بقرہ اور سورۃ حم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۃ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورۃ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہئیت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا، اس کے بعد زمین ہئیت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سیالہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں (بیان القرآن)

یہود مدینہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا، اور پہاڑ اور اس میں جو کچھ معدنیات وغیرہ ہیں ان کو منگل کے روز اور درخت اور پانی کے چشمے اور شہر اور عمارتیں اور ویران میدان بدھ کے روز، یہ کل چار روز ہو گئے، جیسا کہ اس آیت میں ہے

(قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ)

یعنی ان لوگوں کے لئے جو اس تخلیق کا سوال کریں۔ پھر فرمایا اور جمعرات کے روز آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے اور شمس و قمر اور فرشتے یہ سب کام جمعہ کے دن میں تین ساعت باقی تھیں جب پورے ہوئے۔ ان میں سے دوسری ساعت میں آفات و مصائب جو ہر چیز پر آنے والی ہیں وہ پیدا فرمائی ہیں اور تیسری ساعت میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا فرمایا اور ان کو جنت میں ٹھہرایا اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا اور سجدہ سے انکار کرنے پر جنت سے نکال دیا گیا۔ یہ سب تیسری ساعت کے ختم ہوا۔ (الحدیث بطولہ، ابن کثیر) ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا، ھذا الحدیث فیہ غرابہ (معارف القرآن)۔

اور صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہے جس میں تخلیق عالم کی ابتدا یوم السبت یعنی ہفتہ کے روز سے بتلائی گئی ہے۔ اس کے حساب سے آسمان وزمین کی تخلیق کا سات روز میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر عام نصوص قرآن میں یہ تخلیق چھ روز میں ہونا صراحۃً مذکور ہے۔

ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستة ایام وما مسنا من لغوب۔

یعنی ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کو چھ دن میں، اور ہمیں کوئی تھکان پیش نہیں آیا۔ اس لئے نیز اس کی سند کے اعتبار سے بھی اکابر محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو بحوالہ مسلم ونسائی نقل کر کے فرمایا وھو من غرائب الصحیح المسلم کمانی زاد المسیر لابن الجوزی۔

یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کے عجائب میں سے ہے۔ اور پھر فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس روایت کو معلول قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت کعب احبار نقل کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں، اور فرمایا کہ یہی اصح ہے۔ (ابن کثیر ص ۹۴ ج ۴) اسی طرح ابن مدینی اور بیہقی وغیرہ حفاظ حدیث نے بھی اس کو کعب احبار کا قول قرار دیا ہے۔ (زاد المسیر)

پہلی روایت جو ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے، ابن کثیر کے فیصلے کے مطابق اس میں بھی غرابت ہے۔ ایک وجہ غرابت کی یہ بھی ہے کہ اس روایت میں حضرت آدم (علیہ السلام) کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق کے ساتھ آخری دن جمعہ کے آخری ساعت میں اور اسی ساعت میں حکم سجدہ اور ابلیس کا جنت سے اخراج مذکور ہے۔

حالانکہ متعدد آیات قرآنی میں جو قصہ تخلیق آدم (علیہ السلام) کا اور حکم سجدہ اور اخراج ابلیس کا مذکور ہے اس کے سیاق سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدم (علیہ السلام) کا واقعہ تخلیق ارض وسماء سے بہت زمانہ بعد ہوا ہے جبکہ زمین میں اس کی تمام ضروریات مکمل ہو چکیں اور جنات وشیاطین وہاں بسنے لگے۔ اس کے بعد فرمایا۔ انی جاعل فی الارض خلیفة۔ (کذا قال فی المظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق ارض و سماء کے اوقات اور دن اور ان میں ترتیب جن روایات حدیث میں آئی ہے ان میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کو قرآن کی طرح قطعی یقینی کہا جاسکے، بلکہ یہ احتمال غالب ہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہوں مرفوع احادیث نہ ہوں جیسا کہ ابن کثیر نے مسلم، نسائی کی حدیث کے متعلق اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس لئے آیات قرآنی ہی کو اصل قرار دے کر مقصود متعین کرنا چاہئے۔ اور آیات قرآنی کو جمع کرنے سے ایک بات تو یہ قطعی معلوم ہوئی کہ آسمان و زمین اور ان کے اندر کی تمام چیزیں صرف چھ دن میں پیدا ہوئی ہیں۔

دوسری بات سورۃ حم سجدہ کی آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ زمین اور اس کے پہاڑ درخت وغیرہ کی تخلیق میں پورے چار دن لگے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آسمانوں کی تخلیق میں دو دن صرف ہوئے۔ جس میں پورے دو دن ہونے کی تصریح نہیں بلکہ کچھ اشارہ اس طرف ملتا ہے کہ یہ دو دن پورے خرچ نہیں ہوئے آخری دن جمعہ کا کچھ حصہ بچ گیا۔

ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھ دن میں سے پہلے چار دن زمین پر باقی دو دن آسمانوں کی تخلیق میں صرف ہوئے اور زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی۔ مگر سورۃ نازعات کی آیت میں زمین کے پھیلانے اور مکمل کرنے کو صراحتہ تخلیق آسمان کے بعد فرمایا ہے۔ اس لئے وہ صورت کچھ بعید نہیں جو اوپر بحوالہ بیان القرآن ہوئی ہے کہ زمین کی تخلیق دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے دو دن میں زمین اور اس کے اوپر پہاڑوں وغیرہ کا مادہ تیار کر دیا گیا۔

اس کے بعد دو دن میں سات آسمان بنائے، اس کے بعد دو دن میں زمین کا پھیلاؤ اور اس کے اندر جو کچھ پہاڑ، درخت، نہریں، چشمے وغیرہ بنائے تھے ان کی تکمیل ہوئی۔ اس طرح تخلیق زمین کے چار دن متصل نہیں رہے۔ اور آیت حم سجدہ میں جو ترتیب بیان یہ رکھی گئی کہ پہلے زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کا ذکر فرمایا۔ (بحوالہ تفسیر معارف القرآن)

جب دشمنانِ خدا روکے جائیں گے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ اس میں موجود لفظ یوزعون کا کیا مطلب ہے؟

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاء اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ{۱۹}فصلت.

جواب ترجمہ: اور اس دن کا دھیان رکھو جب اللہ کے دشمنوں کو جمع کر کے آگ کی طرف لے جایا جائے گا، چنانچہ انہیں ٹولیوں میں بانٹ دیا جائے گا۔

ان مجرمین پر عذاب اخروی بیان کیا جارہا ہے کہ آخرت کی ذلت ورسوائی کا کیسا ہولناک منظر ہو گا، ساتھ ہی مطیعین پر انعامات خداوندی اور ان کے اعزاز واکرام کا مضمون ارشاد فرمایا جارہا ہے ارشاد ہے اور جس روز کہ جمع کیا جائے گا اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف گھسیٹتے ہوئے تو وہ اس وقت روکے ہوئے ہوں گے، تاکہ سب کے سب جمع ہو جائیں اور بیک وقت ان تمام مجرمین کو موقف حساب میں حساب اعمال کے لیے پیش کیا جائے۔(معارف القرآن کاندھلویؒ)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ

ان مشرکوں سے کہو کہ قیامت کے دن ان کا حشر جہنم کی طرف ہو گا اور داروغہ جہنم ان سب کو جمع کریں گے جیسے فرمان ہے

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم :۸۶)

یعنی گنہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔

انہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا جائے گا۔ اور ان کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی۔ تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ یہ گناہ کیا، اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے۔ کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟

علامہ عزبن عبد السلامؒ فرماتے ہیں کہ
یوزعون کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ چلائے جائیں گے، یا وہ جدا جدا ہونے سے روکے جائیں گے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے آنے والوں کو روکا جائے گا تاکہ بعد والے بھی آجائیں۔ (تفسیر عزبن عبد السلام)

اعضائے انسانی بول اٹھیں گے

سوال انسانی اعضا اور جوارح قیامت کے دن بولیں گے، باتیں کریں گے، انسان کے خلاف گواہی دیں گے کیا یہ بات درست ہے؟ اگر درست ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب جی ہاں! بروز محشر جب انسان اپنی کوتاہیاں، اپنی بد اعمالیاں، اپنی سرکشیوں کی داستانیں چھپانے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ پھر دوسرے اعضا کو بلوائیں گے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

حَتَّى إِذَا مَا جَاؤُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ{۲۰} وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ{۲۱}فصلت.

یہاں تک کہ جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گی کہ ہمیں اسی ذات نے بولنے کی طاقت دے دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور اسی کی طرف تمہیں واپس لے جایا جا رہا ہے۔

گناہ گاروں کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی۔ تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ یہ گناہ کیا، اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے۔

کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی ؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی حکم بجا آوری کے ماتحت اس نے ہمیں بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہہ سنایا۔ وہی تو تمہارا ابتداء پیدا کرنے والا ہے اسی نے ہر چیز کو زبان عطا فرمائی ہے۔ خالق کی مخالفت اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کون کر سکتا ہے ؟

بزار میں ہے حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ

ضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَتَبَسَّمَ

حضور ﷺ ایک مرتبہ مسکرائے یا ہنس دیئے ۔

پھر فرمایا تم میری ہنسی کی وجہ دریافت نہیں کرتے ؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ فرمایئے کیا وجہ ہے آپ ﷺ کیوں ہنسے یا مسکرائے ؟

عَجِبْتُ مِنْ مُجَادَلَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ: أَيْ رَبِّي، أَلَيْسَ وَعَدْتَنِي أَلَّا تَظْلِمَنِي؟ قَالَ: بَلَى فَيَقُولُ: فَإِنِّي لَا أَقْبَلُ عَلَيَّ شَاهِدًا إِلَّا مِنْ نَفْسِي. فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَوَ لَيْسَ كَفَى بِي شَهِيدًا، وَبِالْمَلَائِكَةِ الْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ؟! قَالَ: فَيُرَدِّدُ هَذَا الْكَلَامَ مِرَارًا". قَالَ: "فَيُخْتَمُ عَلَى فِيهِ، وَتَتَكَلَّمُ أَرْكَانُهُ بِمَا كَانَ يَعْمَلُ، فَيَقُولُ: بُعْدًا لكُنَّ وسُحقا، عَنْكُنَّ كُنْتُ أُجَادِلُ

آپ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا۔ کہے گا کہ اے اللہ ! کیا تیرا وعدہ نہیں کہ تو ظلم نہ کرے گا ؟ اللہ تعالیٰ اقرار کرے گا تو بندہ کہے گا کہ میں تو اپنی بد اعمالیوں پر کسی کی شہادت قبول نہیں کرتا۔ اللہ فرمائے گا کیا میری اور میرے بزرگ فرشتوں کی شہادت ناکافی ہے ؟ لیکن پھر بھی وہ بار بار اپنی ہی کہتا چلا جائے گا۔ پس اتمام حجت کیلئے اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن سے کہا جائے گا کہ اس نے جو جو کیا تھا اس کی گواہی تم دو۔ جب وہ صاف صاف اور سچی گواہی دے دیں گے تو یہ انہیں ملامت کرے گا اور کہے گا کہ میں تو تمہارے ہی بچاؤ کیلئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔(مسلم نسائی ، حافظ ابو بکر البزار، تفسیر ابن کثیر))

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ

وَيُدْعَى الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُ لِلْحِسَابِ، فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ رَبُّهُ -عَزَّ وَجَلَّ- عَمَلَهُ، فَيَجْحَدُ وَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ، وَعِزَّتِكَ لَقَدْ كَتَبَ عَلَيَّ هَذَا الْمَلَكُ مَا لَمْ أَعْمَلْ! فَيَقُولُ لَهُ الْمَلَكُ: أَمَا عَمِلْتَ كَذَا، فِي يَوْمِ كَذَا، فِي مَكَانِ كَذَا؟ فَيَقُولُ: لَا وَعِزَّتِكَ، أَيْ رَبِّ مَا عَمِلْتُهُ. [قَالَ] فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ خُتِم عَلَى فِيهِ -قَالَ الْأَشْعَرِيُّ: فَإِنِّي لَأَحْسَبُ أَوَّلَ مَا يَنْطِقُ مِنْهُ فَخِذَهُ الْيُمْنَى

کافر و منافق کو حساب کیلئے بلایا جائے گا اس کے اعمال اس کے سامنے پیش ہوں گے تو قسمیں کھا کھا کر انکار کرے گا اور کہے گا اے اللہ تیرے فرشتوں نے وہ لکھ لیا ہے جو میں نے ہر گز نہیں کیا، فرشتے کہیں گے فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں عمل نہیں کیا؟ یہ کہے گا اے اللہ! تیری عزت کی قسم میں نے ہر گز نہیں کیا۔ اب منہ پر مہر مار دی جائے گی اور اعضا بدن گواہی دیں گے سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ عُرِّف الْكَافِرُ بِعَمَلِهِ، فَجَحَدَ وَخَاصَمَ، فَيُقَالُ: هَؤُلَاءِ جِيرَانُكَ، يَشْهَدُونَ عَلَيْكَ؟ فَيَقُولُ: كَذَبُوا. فَيَقُولُ: أَهْلُكَ [وَ] عَشِيرَتُكَ؟ فَيَقُولُ: كَذَبُوا. فَيَقُولُ: احْلِفُوا فَيَحْلِفُونَ، ثُمَّ يُصمِتُهُمُ اللَّهُ وَتَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ، وَيُدْخِلُهُمُ النَّارَ(مسند حافظ ابی یعلیٰ)

قیامت کے دن کافر کے سامنے اس کی بداعمالیاں لائی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں۔ یہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔ فرمائے گا یہ ہیں تیرے کنبے قبیلے والے جو گواہ ہیں، کہے گا یہ بھی سب جھوٹے ہیں۔ اللہ ان سے قسم دلوائے گا، وہ قسم کھائیں گے لیکن یہ انکار ہی کرے گا۔ سب کو اللہ چپ کرا دے گا اور خود ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی، پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس ؓ نے ابن ازرق سے فرمایا کہ

إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ مِنْهُ حِينٌ، لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يَعْتَذِرُونَ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ حَتَّى يُؤْذَنَ لَهُمْ، ثُمَّ يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَخْتَصِمُونَ، فَيَجْحَدُ الْجَاحِدُ بِشِرْكِهِ بِاللَّهِ، فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ، فَيَبْعَثُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ حِينَ يَجْحَدُونَ شُهَدَاءَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، جُلُودَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَيَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ، ثُمَّ يَفْتَحُ لَهُمُ الْأَفْوَاهَ فَتُخَاصِمُ الْجَوَارِحَ، فَتَقُولُ: {أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ} فَتُقِرُّ الْأَلْسِنَةُ بَعْدَ الْجُحُودِ(ابن ابی حاتم)

قیامت کے دن ایک وقت تو وہ ہو گا کہ نہ کسی کو بولنے کی اجازت ہو گی نہ عذر معذرت کرنے کی۔ پھر جب اجازت دی جائے گی تو بولنے لگیں گے اور جھگڑے کریں گے اور انکار کریں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ پھر گواہوں کو لایا جائے گا آخر زبانیں بند ہو جائیں گی اور خود اعضاء بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ گواہی دیں گے۔ پھر زبانیں کھول دی جائیں گی تو اپنے اعضاء بدن کو ملامت کریں گے وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی دی اور ہم نے صحیح صحیح کہا پس زبانی اقرار بھی ہو جائے گا۔

رافع ابو الحسن نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کی زبان کیسی ہو گی؟

وَصَفَ رَجُلًا جَحَدَ،قَالَ: فَيُشِيرُ اللَّهُ إِلَى لِسَانِهِ، فَيَرْبُو فِي فَمِهِ حَتَّى يَمْلَأَهُ، فَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَنْطِقَ بِكَلِمَةٍ، ثُمَّ يَقُولُ لِآرَابِهِ كُلِّهَا: تَكَلَّمِي وَاشْهَدِي عَلَيْهِ. فَيَشْهَدُ عَلَيْهِ سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ وَجِلْدُهُ، وَفَرْجُهُ وَيَدَاهُ وَرِجْلَاهُ: صَنَعْنَا، عَمِلْنَا، فَعَلْنَ(ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

ایک شخص کے بارے بیان کیا کہ وہ انکار کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کی طرف اشارہ کریں گے، اپنے کرتوت کے انکار پر زبان اتنی موٹی ہو جائے گی اس کا منہ بھر جائے گا، وہ کوئی بات بھی نہیں کر سکے گا، پھر اس کے جسم کے سارے اعضا کو حکم ہو گا کہ تم بولو اور تم گواہی دو، چنانچہ اس پر اس کے کان بولیں گے، اس کی آنکھیں بولیں گی، اس کی

چمڑی بولے گی، اس کی شرم گاہ بولے گی، اس کے ہاتھ بولیں گے، اس کے پاؤں بولیں گے، کہ ہم نے یہ یہ کام کیا تھا۔

سورۃ یاسین میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ

{الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ} [يس: ٦٥]

آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے، ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے، ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، جو کچھ وہ کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں

جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن ہم سے پوچھا تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے علماء کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کا گھڑا سر پر لئے ہوئے آرہی تھی انہی میں سے ایک جوان نے اسے دھکا دیا جس سے وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی

سَوْفَ تَعْلَمُ يَا غُدَر، إِذَا وَضَعَ اللَّهُ الْكُرْسِيَّ، وَجَمَعَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، وَتَكَلَّمَتِ الْأَيْدِي وَالْأَرْجُلُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، فَسَوْفَ تَعْلَمُ كَيْفَ أَمْرِي وَأَمْرُكَ عِنْدَهُ غَدًا؟ قَالَ: يَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَتْ وَ صَدَقَتْ، كَيْفَ يُقدس اللَّهُ قَوْمًا لَا يُؤْخَذُ لِضَعِيفِهِمْ مِنْ شَدِيدِهِمْ؟

اے مکار! تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی سجائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں بولیں گے، جو کچھ وہ کرتے رہے۔ اور ایک ایک عمل کھل جائے گا اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ یہ سن کر حضور ﷺ فرمانے لگے، اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا، اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے؟

ابن ابی الدنیا میں یہی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے،

تَقُولُ لَهُمُ الْأَعْضَاءُ وَالْجُلُودُ حِينَ يَلُومُونَهَا عَلَى الشَّهَادَةِ عَلَيْهِمْ: مَا كُنْتُمْ تَتَكَتَّمُونَ مِنَّا الَّذِي كُنْتُمْ تَفْعَلُونَهُ بَلْ كُنْتُمْ تُجَاهِرُونَ اللَّهَ بِالْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي، وَلَا تُبَالُونَ مِنْهُ فِي زَعْمِكُمْ؛ لِأَنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْتَقِدُونَ أَنَّهُ يَعْلَمُ جَمِيعَ أَفْعَالِكُمْ؛ وَلِهَذَا قَالَ: {وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ}

جب یہ اپنے اعضا کو ملامت کریں گے تو اعضاء جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہیں گے کہ تمہارے اعمال دراصل کچھ پوشیدہ نہ تھے اللہ کے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے تم کفر و نافرمانیوں میں ڈوبے رہتے تھے اور کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ تم سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے بہت سے اعمال اللہ تعالیٰ سے چھپے ہوئے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے ایسے کاموں کو نہیں جانتا جو تم کرتے تھے حالانکہ یہ تمہارا وہ گمان تھا جو تم اپنے رب کے ساتھ رکھتے تھے، اسی فاسد خیال نے تمہیں تلف اور برباد کر دیا اور آج کے دن تم برباد ہوگئے۔ (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن یزید سے مروی ہے کہ

میں کعبہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا جو تین شخص آئے بڑے پیٹ اور کم عقل والے ایک نے کہا کیوں جی ہم جو بولتے چالتے ہیں اسے اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا اگر اونچی آواز سے بولیں تو سنتا ہے اور آہستہ آواز سے باتیں کریں تو نہیں سنتا۔ دوسرے نے کہا اگر کچھ سنتا ہے تو سب سنتا ہوگا میں نے آکر حضور ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا اس پر آیت

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ فصلت :۲۲)

نازل ہوئی۔ (مسند احمد، مسلم، ترمذی)

اہل ایمان: موت کے وقت بشارتیں

سوال ایمان والے بندے کو جب موت آتی ہے تو کیا اسے پتا چلتا ہے کہ وہ عنقریب جنت میں جائے گا؟ اس پر دلیل کیا ہے؟

جواب جی ہاں ایمان والے بندے کو جب موت آتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ وہ عنقریب جنت میں جائے گا، اس پر قرآن کریم میں خوشخبری دی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ{۳۰} نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ{۳۱} فصلت

جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بیشک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اتریں گے کہ: نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا والی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے، اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے جو تم منگوانا چاہو۔

کس قدر مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی میں علی الاعلان یہ بات کہتے رہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، جو اکیلا ہے، جو وحدہ لاشریک ہے، پھر اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت پر ڈٹ گئے، وہ بلاخوف لومۃ لائم اللہ کی وحدانیت پر کام کرتے رہے، تو ان لوگوں پر موت کے وقت فرشتے اتریں گے جو انہیں یوں کہہ رہے ہوں گے کہ موت سے گھبراؤ نہیں، موت کے بعد والی زندگی سے بھی مت گھبراؤ، اور جو کچھ تم دنیا کے معاملات میں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اس کی فکر نہ کرنا، تمہیں اس جنت کی خوشخبری جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

ان ایمان والے لوگوں کو فرشتے یوں کہتے ہیں کہ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار تھے، ہم تمہیں درست راہ پر گامزن کرتے تھے، اور اللہ کے امر سے تمہاری حفاظت کرتے تھے، اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہوں گے، اور جنت میں تمہارے لیے وہ چیز ہوگی جو تمہارا دل چاہے گا، جسے تم وہاں پسند کروگے، جس کے ساتھ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، جب بھی تم کوئی چیز طلب کروگے اسے اپنے سامنے اپنے ہاتھوں میں پاؤگے، یہ تمہارے لیے اللہ کی طرف سے مہمان نوازی ہوگی، یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے انعام ہوگا۔

جناب نبی کریم، رحمت للعالمین، راحۃ للعاشقین حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کرکے پھر کفر کرلیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جما رہا وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی)

حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا

هُمُ الَّذِينَ لَمْ يُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا(تفسیرابن کثیر)

اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے آپ نے فرمایا تم نے اسے غلط سمجھا یا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کرکے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔

ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کونسی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید اللہ پر تاعمر قائم رہنا۔

حضرت فاروق اعظم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کرکے فرمایا

وَاللَّهِ،لِلَّهِ بِطَاعَتِهِ، وَلَمْ يَرُوغُوا رَوَغَانَ الثَّعَالِبِ

واللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن لوگوں نے یوں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر ڈٹ گئے سے مراد فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔

حضرت قتادہؒ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبُّنَا، فَارْزُقْنَا الِاسْتِقَامَةَ

اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔

حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ

استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص ہے۔

عبد اللہ بن سفیان ثقفیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلایئے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ

آمَنْتُ بِاللَّهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ" قُلْتُ: فَمَا أَتَّقِي؟ فَأَوْمَأَ إِلَى لِسَانِهِ

زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا اچھا یہ تو عمل ہوا اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم)

ثقفی فرماتے ہیں کہ

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، حَدِّثْنِي بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهِ. قَالَ: قُلْ رَبِّيَ اللَّهُ، ثُمَّ اسْتَقِمْ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَكْثَرَ مَا تَخَافُ عَلَيَّ؟ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرَفِ لِسَانِ نَفْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا(ترمذی،ابن ماجہ)

میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یوں کہو کہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس بات پر ڈٹ جا، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے زیادہ جس بات سے آپ میرے لیے خوف بتلاتے ہیں وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو کنارے سے پکڑا پھر فرمایا کہ یہ ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ
اہل ایمان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو بے خوف رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو اس پر بھی کوئی غم و رنج نہ کرو۔ تمہارے اہل و عیال، مال و متاع کی دین و دنیا کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل، اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف، چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔

یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔

حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں ڈر نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائے گا، قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہو گا۔

الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت رحمت کے فرشتے اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے، ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے

خیر کی رہنمائی کرتے تھے، تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے، قبر میں، حشر میں، میدان قیامت میں، پل صراط پر، غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے وہاں جو تم چاہو گے ملے گا۔ جو خواہش ہو گی پوری ہو گی، یہ مہمانی یہ عطا یہ انعام یہ ضیافت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف ورحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعید نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ

إن أهل الجنة إذا دَخَلُوا فِيهَا، نَزَلُوا بِفَضْلِ أَعْمَالِهِمْ، فَيُؤْذَنُ لَهُمْ فِي مِقْدَارِ يَوْمِ الْجُمْعَةِ فِي أَيَّامِ الدُّنْيَا فَيَزُورُونَ اللَّهَ،

جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی، پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش ظاہر ہو گا، وہ سب جنت کے باغیچے میں نور کے منبر ان کے لیے رکھے جائیں گے، لؤلؤ (موتیوں) کے منبر رکھے جائیں گے، یاقوت کے منبر رکھے جائیں گے، زبرجد کے منبر رکھے جائیں گے، سونے کے منبر رکھے جائیں گے، چاندی کے منبر رکھے جائیں گے، ادنیٰ درجے کے جنتی ان پر بیٹھیں گے مگر ان میں کوئی گھٹیا نہیں ہو گا، مشک اور کافر کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے، لیکن اپنی جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ
کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے ؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک و تعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا کیوں جناب باری تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر (بادل) ڈھانپ لے گا

فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيبًا لَمْ يَجِدُوا مِثْلَ رِيحِهِ شَيْئًا قَطُّ

اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔

پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ

قُومُوا إِلَى مَا أَعْدَدْتُ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ، وَخُذُوا مَا اشْتَهَيْتُمْ

اٹھو اور میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو۔

فَنَأْتِي سُوقًا قَدْ حَفَّت بِهِ الْمَلَائِكَةُ، فِيهَا مَا لَمْ تَنْظُرِ الْعُيُونُ إِلَى مِثْلِهِ، وَلَمْ تَسْمَعِ الْآذَانُ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوبِ

پھر ہم سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔

جو شخص جو چیز چاہے گا لے لے گا خرید فروخت وہاں نہ ہو گی۔ بلکہ انعام ہو گا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں

کسی کو کوئی رنج و غم نہ ہو گا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گی اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ ترو تازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال و خوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی)

مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ

جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم تو موت کو ناپسند سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مومن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیاہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی۔

پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ملاقات نصیب فرمائے، ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے ہمارے اندر اللہ کی ملاقات کا شوق پیدا ہو اور ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے جن کے باعث اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اپنا دیدار تو دور کی بات ہے نبی کریم ﷺ کی زیارت سے بھی محرومی کا اندیشہ ہے، اللہ اپنی ملاقات اور اپنے حبیب کا دیدار نصیب فرمائے۔ آمین